ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

جانوروں کی قربانی

ہم پر اس لئے عائد کی گئی ہے تا کہ ہم
اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان نعمت پر اس کا شکر ادا
کریں اور اس کی بڑائی مانیں کہ اس نے اپنے
پیدا کیے ہوئے بکثرت جانوروں کو ہمارے
لئے مسخر فرمایا جن سے ہم بے حساب
فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(تلخیص تفہیم القرآن: ص ۵۳۲)

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

شمارہ نمبر ۱	ذو القعدة ۱۴۲۵ھ جنوری ۲۰۰۵ء	جلد نمبر ۲۱

معاون مدیر	مدیر مسؤل
انیس احمد فلاحی مدنی	ابو المکارم ازہری فلاحی

☆ سالانہ زر تعاون: ۹۰ روپے
☆ خصوصی زر تعاون: ۲۰۰ روپے
☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لئے: ۸۰ روپے
☆ اعزازی زر تعاون: ۱۰۰۰ روپے
☆ اس شمارہ کی قیمت: ۹ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہذا جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

❖❖ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے ❖❖

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح

بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱

Phone: 05466-225115

نقوش حیات نو

☆ اداریہ :		
نیا تعلیمی سال اور اس کے تقاضے	انیس احمد مدنی	۳
☆ روشنی کا سفر :		
خدیجہ داسن	محمد سہیل فلاحی	۵
☆ بحث و نظر :		
سماع حدیث اور اس کی روایت	ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب	۹
رہائش کے سنگین مسئلہ کا آسان حل بھی ممکن ہے	محمد ابراہیم انصاری	۱۵
☆ مقالات :		
توریت میں بشارات محمد ﷺ (۴)	ابوطوبی فلاحی	۱۹
مسلمانوں کی ذلت وخواری کے اسباب	سید ریاض فلاحی	۲۵
☆ تعارف کتب :		
اسلامی مصادر کا تعارف فقہ مالکی کے اہم مصادر (۱۲)	ڈاکٹر عبد الوہاب ابراہیم ابوسلیمان	۲۸
☆ مذاہب عالم :		
توریت کا تعارف شریعت موسویہ و شریعت محمدیہ میں بنیادی فرق	انیس احمد مدنی	۳۱
☆ تجربات و مشاہدات :		
حکیم محمد ایوب رحمۃ اللہ علیہ	نسیم احمد غازی	۳۷
☆ تاثرات و احساسات :		
"سفر"	شاہ عالم فلاحی	۴۰
☆ شعر و نغمہ :		
نظم	قمر رسول پوری	۴۳
غزل	شاہ عالم	۴۴
☆ فقہ و فتاوی :		
کیا اذان کے کلمات کو دہرانا سامع پر واجب ہے کیا بیک وقت ایک سے زائد موذن اذان دے سکتے ہیں نماز کے علاوہ کیا دیگر امور کے لئے اذان دینا جائز ہے	ابو ارقم فلاحی	۴۵
☆ جامعہ کے لیل و نہار :		
الوداعی نشست ٹی پارٹی کلیۃ البنات میں مسجد کی سنگ بنیاد نو واردان بساط چمن تفصیلات بابت تعطیلات و امتحانات ۲۰۰۵-۲۰۰۴ء	ادارہ	۴۷

اداریہ

نیا تعلیمی سال اور اس کے تقاضے

انیس احمد مدنی

تعلیم وتدریس انتہائی اشرف اور مقدس انبیائی فریضہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"هو الذی بعث فی الأمیین رسولا منهم یتلو علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" (سورة الجمعه: ۲)

"وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہیں میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے۔ ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔"

مذہبی تعلیم رضائے حصول کا اہم ذریعہ ہے۔ مشہور حدیث ہے:

"من غدا الی المسجد لا یرید الا أن یتعلم خیراً أو یعلمه کان له کأجر حاج تاما حجة" (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۳)

جو شخص بھی مسجد صرف بھلائی سیکھنے یا سکھانے کی نیت سے جائے گا اسے اس شخص کی طرح ثواب ملے گا جس نے حج مقبول کیا ہو۔

تعلیم کی اس اہمیت کے پیش نظر ہر معلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے مفہوم اور مقتضیات سے اچھی طرح واقف ہوتا کہ وہ اس مقدس مذہبی فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دے سکے۔

تعلیم کا مقصد محض معلومات اندوزی نہیں، اس کا منتہی ومقصود قلب ودماغ کو بالیدگی بخش کر فرد کی سیرت کو ان بلندیوں سے آشنا کرنا ہے جو ایک ترقی پسند اور صالح سماج کی تشکیل کی ضامن ہیں۔ تعلیم کا یہ مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اساتذہ کرام گیسوئے مستقبل کو سنوارنے میں پیغمبرانہ دلسوزی، لگن، جذبہ اور اصلاح کی شدید تڑپ کا پیکر بن جائیں۔

دینی تعلیم کے اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کماحقہٗ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک معلم کے اندر درج ذیل تین چیزیں نہ پائی جائیں۔

[۱] **علمی مواد:** مدرس کو اپنے مضمون پر مکمل قدرت ہونی چاہئے۔ دینی علوم کی تدریس کے وقت نصوص اسے ازبر ہونے چاہئیں کیونکہ کوئی بھی اسلامی گفتگو اگر قرآن وحدیث کے حوالہ سے خالی ہو تو وہ غیر موثر ہوتی ہے اور بدعات وخرافات اور تقلید کے درآنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

[۲] **عظیم شخصیت:** معلم دین، دین کی تدریس کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ اسے خود دین پر کامل یقین اور اسلام سے اس کی گہری وابستگی نہ ہو۔ ظاہری لحاظ سے وہ اسلامی تہذیب وثقافت کا علمبردار اور بدنی لحاظ سے نشیط اور چاق وچوبند ہو، اور عقلی لحاظ سے زیرک اور معاملہ فہم ہو۔ اسلامی نظام حیات سے کامل واقفیت کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب وادیان کے نظامہائے حیات سے بھی وہ بخوبی واقف ہو تاکہ مقارنہ وموازنہ کے ذریعہ وہ اپنے طلبہ کے دلوں میں اسلام کی حقانیت اور دیگر مذاہب پر اس کی فضیلت کو ثابت کر سکے۔

معلم دین کو اپنے طلبہ کے ساتھ حسن سلوک، ان کی آراء کا احترام اور ان کے ساتھ تقدیر واحترام کا معاملہ کرنا چاہئے کہ یہ امور طلبہ کی اسلام سے وابستگی کو مزید مستحکم اور پختہ کریں گے۔

[۳] **اصول تدریس سے واقفیت:** علمی مواد اور شخصیت کی عظمت کے ساتھ ساتھ تعلیم وتدریس کی ذمہ داری سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے طریقہ تدریس سے واقفیت بے حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر طلبہ کے اندر مطلوب استعداد کو پیدا کرنا ممکن نہیں۔

یاد رکھئے اس فریضہ کی بحسن وخوبی ادائیگی سے ایک جانب معلم کو آئندہ نسلوں میں ذکر خیر سے نوازا جائے گا تو دوسری جانب اس کے اس عمل سے اس کی آخرت بنے گی۔ ارشاد رسول ﷺ ہے "آپ کے ہاتھوں کسی فرد کا ہدایت پانا دنیا ومافیہا سے بہتر وپسندیدہ ہے"۔

لمثل هذا فليعمل العاملون۔

☆☆☆☆☆

روشنی کا سفر

خدیجہ واٹسن

Khadijah Watson

ترجمہ وتلخیص: محمد سہیل فلاحی
ایم۔اے۔ انگلش

تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ سوال عام طور سے پہلا رد عمل تھا میرے کلاس فیلوز، دوستوں اور دیگر ملنے جلنے والوں کی طرف سے جب انھوں نے مجھ کو اسلام قبول کرتے ہوئے دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ انھیں کوئی الزام دینے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ میں تبدیل مذہب کی خود بہت زیادہ مخالف تھی۔ پیشے کے اعتبار سے میں کالج میں پروفیسر اور چرچ مشنری تھی اس لئے اگر کسی کو بہت زیادہ بنیاد پرست ہونا چاہئے تھا تو وہ بلا شبہ میری ذات تھی۔

کچھ دنوں پہلے میں نے دینیات میں ایم۔اے۔ کی ڈگری حاصل کی تھی اور انھیں دنوں میں میری ملاقات ایک ایسی عورت سے ہوئی جس نے سعودی عرب میں اتنے سالے دنوں تک کام کیا تھا اور بعد میں مسلم ہو گئی تھی۔ بلا شبہ اس عورت سے میرا پہلا سوال اسلام میں عورت کے حقوق اور ان کے ساتھ سلوک کے بارے میں تھا۔ اس کا جواب سن کر میں بالکل دنگ رہ گئی۔ اس لئے کہ اس کا جواب میرے لئے بالکل خلاف توقع تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں دوسرے سوالات پوچھے۔ تو اس عورت نے کہا وہ مجھے ایک ایسے اسلامک سینٹر لے جائے گی جہاں پر میرے تمام سوالوں کے جوابات لوگ تسلی بخش انداز میں دے سکتے ہیں۔

اب تک عبادت میں ہم عیسیٰ مسیحؑ سے یہ دعا کرتے تھے کہ وہ ہماری بدروحوں اور شیطانوں سے حفاظت کریں۔ اور اسلام کے بارے میں بچپن سے یہ بات ہمارے ذہن میں ڈالی گئی تھی کہ یہ ایک شیطانی اور بہت خوفناک مذہب ہے۔ عیسائیت کے ایوانجلک Evangelic فرقے میں پروان چڑھنے کی وجہ سے میں ان مسلمانوں کے جوابات سے بالکل ششدر رہ گئی۔ (Evangelic یہ وہ فرقہ ہے جو عیسیٰ مسیحؑ کو واحد منجی مانتا ہے) ان کی گفتگو بالکل سیدھی اور وہ دو چار کی طرح سے تھی۔ ان کی

جانب سے میرے اوپر کسی طرح کا کوئی خوف، دھمکی، ہراساں کیا جانا یا کوئی نفسیاتی دباؤ نہیں تھا۔ انھوں نے مجھے کچھ اسلامیات پرمبنی کتابیں دیں۔ اور مجھ سے کہا کہ اگر میرے ذہن میں کوئی سوال یا الجھن ہو تو اس آفس میں کسی سے بھی پوچھ سکتی ہو۔ اسی رات میں نے ان کی دی گئی کتابوں کو پڑھ ڈالا۔ یہ میری زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اسلام پر میں نے کچھ کتابیں پڑھیں جو ایک مسلم مصنف کے ذریعہ لکھی گئیں تھیں۔ اب تک ہم نے اسلام پر جو بھی کتابیں پڑھی تھیں، سب عیسائی مصنفین کے ذریعہ لکھی گئی تھیں۔ اگلے روز میں نے اس آفس میں تقریباً تین گھنٹے سوالات کرتے ہوئے گذارے۔ یہ سلسلہ ایک ہفتہ تک چلتا رہا اور اس کے دوران میں نے تقریباً بارہ کتابوں کا مطالعہ کیا اور تب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آخر مسلمان عیسائی مذہب قبول کرنے سے کیوں بہت زیادہ نفرت کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عیسائیت میں ایک مسلمان کے لئے کچھ بھی تسلی بخش نہیں ہے جبکہ اسلام میں ان کا خدا سے رشتہ ہوتا ہے۔ گناہوں کی مغفرت اور نجات کا راستہ موجود ہے۔ اور اسی طرح سے اللہ نے ان سے ایک ابدی زندگی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

قدرتی طور سے میرا پہلا سوال خدا کی الوہیت اور وحدانیت کے تعلق سے تھا۔ میں نے پوچھا "یہ اللہ کون ہے جس کی مسلم عبادت کرتے ہیں"؟ اس لئے کہ بحیثیت عیسائی ہم کو ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ یہ دوسرے نمبر کا خدا یا نقلی خدا ہے۔ جو کچھ بھی مانگنا ہو عیسیٰ مسیح سے مانگو۔ جبکہ حقیقت میں یہی خدا قادر مطلق ہے، عظیم ہے، سب سے زیادہ طاقتور اور ہر جگہ رہنے والا ہے۔ اللہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ شروع کی تین صدیوں تک یعنی عیسیٰ مسیحؑ کے بعد چرچ کے راہب مسلم عقیدے سے ملتی جلتی تعلیم دیتے تھے کہ عیسیٰ مسیحؑ صرف اس دنیا میں ایک پیغمبر اور رسول تھے۔ ایسا صرف بادشاہ کانسٹنٹائن Constantine کے عیسائیت قبول کرنے کے بعد ہوا جس نے نظریہ تثلیث کو لوگوں کے سامنے متعارف کرایا۔ عیسائیت کو بے سوچے سمجھے قبول کرنے کی وجہ سے وہ اس مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اور اسی لئے اس نے ایک ملحدانہ اور کافرانہ نظریہ لوگوں کے سامنے متعارف کرایا جس کا تعلق زمانہ قدیم کے تاریک دور سے تھا۔ میں صرف آپ کو اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ انجیل کے کسی نسخے میں لفظ "Trinity" یا "تثلیث" موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ لفظ اصل اور قدیم عبرانی یا یونانی نسخے میں موجود ہے۔

میرا دوسرا سب سے اہم سوال نبی کریم ﷺ کے بارے میں تھا۔ "یہ محمد کون ہیں"؟ یہ مجھے معلوم تھا کہ مسلم ان کی پرستش نہیں کرتے ہیں جیسا کہ ہم عیسائی عیسیٰ مسیحؑ کی کرتے ہیں اور یہ کہ ان کا کوئی ثالث کا رول نہیں ہے اور ان کی عبادت ممنوع ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم محمد ﷺ پر اپنی نماز کے آخر میں درود و سلام پڑھتے ہیں ٹھیک ایسے ہی جیسے ہم ابراہیمؑ پر پڑھتے ہیں۔ وہ اللہ کے آخری نبی اور فرستادہ ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان کو انتقال ہوئے اب تک تقریباً ۱۴۲۵ سال گزرنے کو ہیں لیکن کوئی دوسرا نبی نہیں آیا۔ ان کا پیغام ساری دنیا کے انسانوں کے لئے ہے خواہ عیسیٰ مسیحؑ یا موسیٰؑ کے ماننے والے ہوں یا دوسرے لوگ ہوں۔ دوسرے انبیاء بھی اپنی قوم میں یہی پیغام لے کر آئے تھے کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

عبادت میری زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ بحیثیت عیسائی میں جاننا چاہتی تھی کہ مسلم کس کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے نزدیک عبادت کا مفہوم کیا ہے۔ بحیثیت عیسائی ہم مسلمانوں کے اس پہلو سے اسی طرح ناواقف تھے جس طرح کہ ان کے مذہب کے دوسرے پہلو سے۔ اس لئے کہ ہمارے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی تھی کہ مسلم کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرتے ہیں اس لئے کہ وہاں خدا موجود ہے۔ اور یہ کہ اس غلط اور جھوٹے مذہب کا کعبہ مرکز ہے۔ یہ جان کر میں بالکل حیرت زدہ رہ گئی کہ عبادت کے طریقے اور بول خود اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں۔ اور عبادت کے الفاظ اس کی تعریف پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور نماز سے پہلے طہارت یا وضو بھی اسی کے ذریعہ بندوں کو سکھایا گیا ہے۔ وہ مقدس خدا ہے اور ہم کو یہ بات زیب نہیں دیتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر کسی اور طریقے سے اس کی عبادت اور پرستش کریں۔

تقریباً آٹھ سال تک پوری یکسوئی کے ساتھ مختلف علوم دینیہ پر مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام ہی اس دنیا میں صرف سچا اور فطرت کے عین مطابق مذہب ہے۔ البتہ اس وقت میں نے اسلام قبول نہیں کیا اس لئے کہ ابھی تک میرے دل نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ میں دعا کرنا، بائبل اور قرآن کا مطالعہ اور اسی طرح سے اس اسلامک سینٹر پر جا کر مختلف لکچرس سننا جاری رکھا۔ اور ہمیشہ خدا کی رہنمائی کی طلبگار رہی۔ اپنا آبائی مذہب تبدیل کر دینا کوئی آسان بات نہیں ہوتی ہے۔ میں مسلسل ورطہ حیرت میں ڈوبی رہی یہ جان کر کے کہ جو کچھ میں اسلام کے بارے میں سیکھ رہی ہوں یہ بالکل اس اسلام

سے مختلف ہے جس کے بارے میں مجھے بتایا یا بچپن سے پڑھایا گیا تھا۔ جب میں ایم اے۔ کر رہی تھی تو ایک پروفیسر صاحب جن کو علوم اسلامیات کا ماہر سمجھا جاتا تھا، اب مجھ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی معلومات بھی ادھوری اور غلط فہمی سے پر تھی۔ وہ اور دوسرے عیسائی بلاشبہ اسلام کے تعلق سے مخلص ہیں لیکن اس کے باوجود وہ لوگ کسی نہ کسی وجہ سے غلطی پر ہیں۔

تقریباً دو مہینہ بعد ایک دن جب میں خدا سے رہنمائی کی طلبگار تھی میں نے اچانک اپنے وجود میں کچھ عجیب وغریب چیز نازل ہوتی ہوئی محسوس کی۔ میں فوراً اٹھ گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اللہ کا نام لیا۔ اور میری زبان سے یہ کلمے نکلے ''اے اللہ میرا ایمان ہے کہ تو اکیلا اور سچا خدا ہے'' اور اس کے ساتھ ہی مجھے عجیب قسم کا سکون محسوس ہوا جس کو میں الفاظ میں نہیں بیان کر سکتی۔ چار سال پہلے اس دن سے لیکر آج تک میں نے اسلام قبول کرنے پر کبھی افسوس نہیں کیا۔ یہ فیصلہ بغیر آزمائش کے میری زندگی میں نہیں آیا تھا بلکہ سب سے پہلے مجھ کو اپنی تدریسی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑا اس لئے کہ اس وقت میں وہ بائبل کالج میں پڑھا رہی تھی۔ میرے سابق کلاس فیلوز اور دوستوں نے میرا سماجی بائیکاٹ کیا۔ کالج کے دیگر پروفیسرز اور پادریوں اور مشنریز نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔ میری سسرال کے لوگوں نے مجھ کو اپنا کہنے سے انکار کر دیا۔ میں اپنے جوان بچوں کی غلط فہمیوں کا شکار ہوئی اور ٹھیک اسی طرح حکومت کی نگاہ میں مشکوک ہو گئی۔ اس سچے عقیدے کی وجہ سے جو ایک انسان کو شیطانی طاقتوں کے خلاف لڑنے کی جرأت عطا کرتا ہے میں اس قابل ہوئی کہ ان مشکل اور صبر آزما حالات کا سامنا کر سکوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی بے حد ممنون اور مشکور ہوں کہ اس نے مجھ کو اسلام کی دولت سے نوازا اور دعا کرتی ہوں کہ مجھے موت بھی ایمان کی حالت میں آئے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری ہے:

''اے نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا و مرنا یہ سب خالص اللہ رب العزت کے لئے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو ایسا ہی کرنے کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں پہلا شخص ہوں'' (سورۃ الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

(بحوالہ مسلم ورلڈ: جولائی ۲۰۰۳ء)

☆☆☆☆☆

بحث ونظر

سماع حدیث اور اس کی روایت
(۲)

ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب

[۳] اجـــازۃ:

سماع میں اخذ وتحمل عالم کے الفاظ سے اور قراءت میں متحمل یا دوسرے کے الفاظ سے عالم کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ ان دونوں طریقوں میں حدیثوں کو زبان سے ادا کیا جاتا ہے۔

اجازت اخذ وتحمل کی ایک بالکل نئی قسم ہے جس میں عالم اپنی بعض مرویات کو بلا پڑھے ہوئے روایت کرنے کی اجازت کسی معین شخص یا چند معین افراد کو دیتا ہے۔

مشروعیت: اجازت کے جواز میں علماء کی دو رائیں ہیں بعض نے مشروع قرار دیا ہے اور بعض نے غیر مشروع۔ متقدمین میں سے حسن بصری، نافع مولی ابن عمر زہری، ربیعہ بن ابی عبدالرحمن اور یحیٰی بن سعید الانصاری وغیرہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ شعبہ، ابراہیم بن اسحاق اور ابونصر الوائلی نے اسے غیر مشروع قرار دیا ہے۔ شعبہ کہتے ہیں: اگر اجازت کو درست مان لیا جائے تو طلب حدیث کے لئے اسفار ختم ہو جائیں گے۔ ''اجازۃ'' کی مثال: محدث کا اپنے بعض طلبہ سے یہ کہنا میں نے صحیح البخاری کے کتاب البیوع کی اپنی سند سے روایت کرنے کی تم لوگوں کو اجازت دی جسے میں نے فلاں سے سنا ہے۔ یا میں نے تمہیں صحیح مسلم کی اپنی سند سے روایت کرنے کی اجازت دی جسے میں نے فلاں سے سنا ہے۔ بغیر کسی روایت کو پڑھے ہوئے یا چند روایت کو پڑھ دے اور پھر بقیہ کی اجازت دے دے۔

اجازۃ کی شرطیں:

علماء متقدمین نے اجازۃ کو درج ذیل شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔

[۱] محدث کو معلوم ہو کہ وہ کس چیز کی اجازت دے رہا ہے۔

[۲] طالب علم کا نسخہ راوی کے نسخہ سے ملایا ہوا ہو گویا وہ وہی ہو۔

[۳] اجازت طلب کرنے والا اہل علم میں سے ہو، تا کہ علم نا اہل کے پاس نہ چلا جائے۔

یہ شرطیں اصلاً متقدمین کی ان عبارات سے ماخوذ ہیں جو انھوں نے اجازۃ کے سیاق میں بیان کی ہیں۔

ان شرطوں سے اجازۃ کے جواز کی تائید ہوتی ہے اور اس پر وارد ہونے والے متعدد اعتراضات کا ازالہ ہوتا ہے۔

متقدمین کے یہاں "اجازۃ" انتہائی معتبر اور صرف خاص طلبہ کے لئے مختص تھا اور صرف کسی معین حدیث یا جزء یا کتاب کی اجازت دی جاتی تھی۔ اور بعض علماء جب کسی کو اجازت دیتے تھے تو اسے کسی ایک یا متعدد معتبر و مستند نسخوں کو بھی بتلاتے تھے۔ حافظ ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں:

"اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ "اجازۃ" صرف اسی شخص کے لئے جائز ہے جو اس فن کا ماہر ہو اور اس بات سے واقف ہو کہ وہ اس اجازت کو کیسے حاصل کرے گا اور اجازت کسی معین حدیث یا معروف شے کے لئے ہو جس کے اسناد میں کوئی اشتباہ لاحق نہ ہو۔"

اکثر متقدمین غیر عالم اور اس شخص کے لئے جس کے اندر حدیث کے حصول کی طلب و تڑپ اور اس راہ میں قربانیاں دینے کا حوصلہ نہ ہو اس کے لئے اجازۃ کو مکروہ سمجھتے تھے۔

ایسے ہی وہ طلبہ جنھوں نے چند دن کسی محدث کے پاس قیام کیا ہو اس کے لئے "زیادہ علم" کی اجازت کو بھی ناپسندیدہ قرار دیتے تھے۔ تابعین اکثر صرف ان معتبر اہل علم کے لئے اجازت کے جواز کے قائل تھے جو فن حدیث کے ماہر ہوں اور اس کی قدر پہچانتے ہوں۔ لیکن متاخرین کے یہاں پھر یہ شرطیں معمول بہ نہ رہیں جس سے طلبہ کی ہمتیں اور حوصلے حفاظ و مؤلفین سے سماع کے لئے باقی نہ رہے۔

اجازت کی صورتیں: اجازت کی مختلف قسمیں ہیں۔ اس کی سب سے اعلیٰ صورت یہ ہے کہ محدث اپنی کسی ایک یا چند کتاب کو لے کر آئے اور طلبہ سے یہ کہے میں نے اس کتاب یا ان کتابوں کی جنھیں میں نے فلاں شیخ سے سنا ہے تمھیں روایت کرنے کی اجازت دی۔ اسے معین (شیخ) کی

جانب سے کسی معین (طالب علم) شخص کے لئے کسی معین چیز کی اجازت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نوع کی بھی علماء نے تقریباً آٹھ یا نو صورتیں ذکر کی ہیں۔ "اجازۃ" اپنی اعلیٰ ترین صورت میں بھی عرض و سماع سے فروتر ہے۔

[۴] مناولہ:

مناولہ کا مطلب یہ ہے کہ محدث اپنے شاگرد کو ایک یا چند حدیثیں یا کوئی کتاب عطا کرے تا کہ وہ اس کی روایت اس سے کر سکے۔ جیسے استاد کا اپنے شاگرد کو اپنی مرویات کی کوئی کتاب یہ کہتے ہوئے دینا "یہ میری حدیثوں میں سے ہے" یا "یہ میری مسموعات میں سے ہے" البتہ یہ جملہ "تم اس کی مجھ سے روایت کرو" یا "میں نے تمھیں اس کی روایت کرنے کی اجازت دے دی" نہ کہے۔

بعض علماء نے اسے جائز اور بعض نے غیر جائز قرار دیا ہے۔ مناولہ کی مذکورہ بالا صورت کو محدثین "اجازت سے عاری مناولہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ کبھی کبھی مناولہ اجازت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ جسے محدثین "اجازت پر مشتمل مناولہ" کا نام دیتے ہیں۔ اور یہ "اجازۃ" کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ اور اس کی معروف صورتیں درج ذیل ہیں۔ کسی شیخ کا اپنے طالب کو کوئی کتاب یا صحیفہ دے کر یہ کہنا اسے میں نے فلاں سے سنا ہے، اسے لو اور مجھ سے روایت کرو۔ یا اسے لو اور نقل کر لو اور مقابلہ و تصحیح کرنے کے بعد واپس کر دو اور اس کی روایت کرو۔ اور اس سے فروتر صورت یہ ہے کہ طالب علم شیخ کی کتاب سے ملایا ہوا کوئی نسخہ لے آئے اور اسے شیخ کے سامنے پیش کرے جسے شیخ لے کر الٹ پلٹ کر دیکھے اور پھر کہے "اس صحیفہ کی مجھ سے روایت کرو"۔

بعض علماء اسے "عرض المناولہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ مناولہ کی یہ صورت مختلف ائمہ حدیث سے منقول ہے۔

جمہور محدثین کے نزدیک مناولہ حجت ہے۔ بلکہ بعض علماء نے اجازت پر مشتمل مناولہ کو سماع کے برابر قرار دیا ہے۔ لیکن درست رائے یہی ہے کہ یہ سماع و قراءۃ سے کمتر ہے۔ قاضی عیاض اور علامہ عراقی نے مناولہ کے قبول ہونے پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔ اور کسی عالم نے بھی اس میں کوئی اور رائے یا اختلاف بیان نہیں کیا ہے۔

مناولہ کے قبول ہونے کی دلیل حدیث رسول ؐ ہے آپ ﷺ نے امیر سریہ کو ایک کتاب لکھ کر دی اور فرمایا: تم اسے اس وقت تک نہ پڑھنا جب تک کہ فلاں مقام پر نہ پہنچ جاؤ۔ چنانچہ جب وہ اس مقام پر پہنچے تو لوگوں کے سامنے اسے پڑھا اور آپ ؐ کے حکم سے لوگوں کو باخبر کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے عمرو بن حزم اور بعض دیگر امراء کے پاس بعض چٹھیں لکھ کر روانہ فرمائیں اور ان پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ (الاحکام ابن حزم ص ۲۵۷)

[۵] مکاتبۃ: عالم کا اپنے ہاتھوں لکھنا یا کسی اور کو اپنی احادیث و مرویات کو لکھنے کا حکم دینا کسی موجود یا غائب شخص کی خاطر اور پھر اس کتاب کو معتبر لوگوں کے ذریعہ اس شخص کے پاس بھیجنا۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

{ ۱ } ان مکتوب احادیث میں شیخ کے واسطہ سے روایت کرنے کی اجازت بھی مرقوم ہو۔ یہ قسم "اجازت پر مشتمل مناولہ" کی طرح درست اور حجت ہے۔

{ ۲ } شیخ اس کے پاس حدیثیں لکھ کر بھیجے البتہ اجازت رقم نہ ہو۔

بعض لوگوں نے اس کی روایت کو ممنوع قرار دیا ہے البتہ جمہور نے اسے صحیح اور درست قرار دیا ہے۔

کتابت میں اجازت کی شرط معقول نہیں کیونکہ کبار رواۃ نے اجازت سے عاری مکتوب کو جائز قرار دیا ہے اور پھر کسی شیخ کا دوسرے شیخ یا طالب علم کے پاس کسی حدیث کا لکھنا اس میں اس شیخ سے روایت کرنے کی اجازت موجود ہے۔ اگرچہ کتابت کے ساتھ اجازت کی صراحت زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے اس صورت کو مناولہ اور "اجازۃ" سے راجح قرار دیا ہے بلکہ بعض نے تو سماع سے بھی راجح قرار دیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کسی ذی رک محدث کا اپنے شاگرد کے لئے مرویات کی کتابت سماع سے راجح تو نہیں لیکن کمتر بھی نہیں ہے۔ کیونکہ جب طالب علم کو اپنے شیخ کی تحریر ہونے پر یقین ہو جائے یا وہ معتبر قاصد یقین دلا دے تو پھر شیخ سے اس مکتوب کو متصلاً بیان کرنے میں شک باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

علامہ خطیب ؒ نے اس بات کو پسندیدہ قرار دیا ہے کہ کتاب محدث کی اپنی تحریر میں ہو اور اگر

دوسرے کی تحریر ہو تو پھر اس کاتب کی تصریح موجود ہو۔ یہ تمام امور بطور احتیاط کے اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ مکتوب الیہ کو یہ پورا یقین ہو جائے کہ یہ کتاب حقیقۃً شیخ کی اپنی تحریر پر مشتمل ہے یا انھوں نے کسی کاتب سے اسے تحریر کروایا ہے۔

[۶] استاذ کا باخبر کرنا (اعلام الشیخ)

اعلام کا مطلب محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کو یہ بتلائے کہ یہ حدیث یا یہ کتاب اس کی مرویات میں سے ہے جسے اس نے فلاں سے سنا یا اخذ کیا ہے البتہ اپنے واسطے سے اسے روایت کرنے کی اجازت کی تصریح نہ کرے۔

اکثر اہل علم نے مذکورہ بالا صورت میں روایت کی اجازت دی ہے اور اس اخبار کو وہ شیخ کی اجازت پر متضمن مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں شیخ کی امانت و ثقاہت اسے غیر مسموع روایات کو مسموعات کے روپ میں پیش کرنے سے روکے گی۔ اور اس کا اپنے شاگرد سے اپنے سماع کی اطلاع دینا اس حدیث کو اس سے اخذ کرنے اور روایت کرنے کی رضا پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مسلک ابن جریج اور اکثر متاخرین کا ہے۔ البتہ بعض محدثین روایت کے لئے شیخ کی اجازت کو ضروری سمجھتے ہیں اور اگر شیخ اپنے شاگرد کو اپنے واسطے سے روایت کرنے سے منع کر دے جیسے یوں کہے "یہ کتاب میں نے فلاں سے سنی ہے لیکن میں تمہیں اس کی روایت کی اجازت نہیں دے رہا ہوں یا تم میرے واسطے سے اسے بیان مت کرنا" تو بعض محدثین کے نزدیک شاگرد کے لئے اس کی روایت حرام اور بعض کے نزدیک جائز ہوگی۔

اس سلسلے میں مستحب امر یہ ہے کہ اگر شیخ نے روایت نہ کرنے کی علت بیان کر دی ہو تو شاگرد کے لئے روایت کرنا جائز نہ ہوگا الا آنکہ وہ اس علت کے ساتھ اسے بیان کرے اور ایسے ہی روایت کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں وہ روایت بیان کرے البتہ ساتھ وہ اس امر کی وضاحت کر دے کہ اس کے استاذ نے اسے اس حدیث کی روایت کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اور ایسے صیغے استعمال کرے جو اعلام پر صراحۃً دلالت کرتے ہوں۔

اعلام کے ذریعہ حاصل کردہ روایت پر عمل محققین کے نزدیک واجب ہے۔ اکثر محدثین کی

بھی یہی رائے ہے۔

[۷] وصیت :

وصیت کا مطلب یہ ہے کہ عالم اپنے سفر یا موت سے پہلے اپنی مرویات میں سے کسی کتاب کی کسی شخص کے لئے روایت کی وصیت کر جائے۔

حصول علم کی یہ صورت شاذ و نادر ہی پیش آتی تھی۔ متاخرین میں سے بعض علماء اسے اخذ وتحمل کی ایک صورت مانتے ہیں۔ ان کی دلیل ابو قلابہ کا عمل ہے آپ نے اپنی اپنی وفات سے پہلے اپنی کتابوں کو ایوب السختیانی کو دینے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ ایک سواری بھر وہ کتابیں لائی گئیں اور ایوب نے دس سے زائد درہم اس کا کرایہ ادا کیا۔

وصیت کے ذریعہ روایت کے جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ موصی لہ کو اپنی کتابوں کو حوالہ کرنا گویا ایک طرح کی اجازت ہے جو عرض ومناولہ سے مشابہت رکھتی اور اعلام سے قریب تر ہے۔

اخذ وسماع کی یہ صورت سابقہ تمام صورتوں سے کمزور ترین صورت ہے۔ اور جمہور کے نزدیک وصیت کے ذریعہ موصی لہ کے لئے روایت کرنا جائز نہیں۔ رہا ابو قلابہ یا بعض دیگر متقدمین کی وصیت تو یہ لوگ اس اندیشہ سے کہ کہیں مرنے کے بعد یہ کتابیں غیر ذی علم لوگوں کے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائیں انھیں جلا دیتے یا دفن دیتے یا مستحق لوگوں کے حق میں ان کی وصیت کر جاتے۔ ابو قلابہ کی مذکورہ بالا وصیت بھی اسی نوع کی تھی۔ "المحدث الفاصل" میں ہے: حماد بن زید روایت کرتے ہیں کہ ابو قلابہ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا "میری کتابوں کو ایوب کو دے دینا اگر وہ زندہ رہیں ورنہ جلا دینا"
(فقرہ رقم: ۵۲۷)

جواز کے قائلین کے نزدیک روایت کے وقت "وصیت" کرنے والے الفاظ اور ایسے جملوں کا استعمال شرط ہے جن سے یہ پتہ چل سکے کہ یہ حدیث براہ راست شیخ سے سنی ہوئی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں "حدثنی فلان بکذا" کہنا صحیح نہیں کیونکہ اس نے اس روایت کو بیان نہیں کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

بحث ونظر

رہائش کے سنگین مسئلہ کا آسان حل بھی ممکن ہے

محمد ابراہیم انصاری

آبادی کے روز افزوں اضافہ کے بعد ہر طرف انسانی رہائش کا مسئلہ بڑا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ خصوصاً شہروں میں صورت حال بڑی سنگین ہو گئی ہے۔ کیونکہ دیہاتوں سے روزگار کی تلاش میں آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمارے ملک میں جمہوری طرز کی حکومت کے باعث بڑے اہم مسائل بھی جلد حل ہونے کی بجائے التوا میں پڑے رہتے ہیں۔

بمبئی نگری کبھی عروس البلاد کہلاتی تھی اب وہ حسین وجمیل عروس ایک کھوسٹ بن کر رہ گئی ہے۔ ہر طرف گندی بستیاں نظر آرہی ہیں۔ انہیں بستی بھی کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اب تو انسان فٹ پاتھوں پر ہی نہیں نصف سڑکوں پر بھی قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ سارا شہر کھلا ہوا بیت الخلاء بن گیا ہے۔ ساری فضا میں تعفن پھیلا ہوا ہے جس سے سر پھٹا جا رہا ہے۔ بیماریوں اور کثافتوں سے سارا ماحول آلودہ ہے۔ ہاؤسنگ بورڈ نے سیکڑوں مکانات تعمیر کر ڈالے مگر ضرورتمندوں اور حقیقی مستحقین کو گھر نہیں مل سکے۔ بلڈروں نے بلند عمارتوں کے ذریعہ کنکریٹ کے جنگلات کھڑے کر دیے مگر ان عالیشان بلڈنگوں میں صرف دو نمبر کی آمدنی والے ہی داخل ہو سکے، تاجر، سرکاری ملازمین اور سیاست پیشہ لوگ۔ ایماندار لوگوں کے لئے جگہ خالی نہیں ہے۔ خستہ حال وتنگ داماں مکانات اور جھگی بستیوں میں اکثر کچھ اچکے اور بد قماش لوگ بھی آکر ڈیرہ جما لیتے ہیں جس سے شرفاء کی زندگی کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ ان بستیوں میں اپنی بے مائیگی کے باعث دانشور، عالم اور پڑھے لکھے خاندان بھی سکونت پذیر ہیں۔ لیڈر حضرات کو ان مسائل سے دلچسپی کہاں؟ کچھ بیدار مغز اور دردمند دل ہی کوئی مداوا کر سکتے ہیں۔

بمبئی میں ان گنت جھگی بستیاں ہیں۔ اب تو ہر چھوٹے بڑے شہر کا یہی حال ہے۔ ان بستیوں میں ہر قوم کے لوگ بس رہے ہیں۔ مگر آبادی کے تناسب کے لحاظ سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس کی وجوہات میں انہیں درپیش بہت ساری مشکلات کے پہاڑ نہ ٹلنے میں ان کی اپنی بھی کوتاہیوں کا دول

ہے۔ آج یہ قوم طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہے۔ کوئی اس کا پرسان حال نہیں ہے۔ نہ کوئی قائد نہ ہمدرد اور خود ملت بھی بے حسی، بے عملی اور یاس کی شکار ہے۔

بمبئی میں ۱۹۷۰ء کی دہائی کے آخری سالوں میں ایک مرد مجاہد مولانا ضیاء الدین بخاریؒ نے مسلمانوں کے لئے کئی ٹاؤن شپ بنانے کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ ملت نگر، وحدت نگر اور رحمت نگر، مگر پہلے دن سے ہی انھیں ایسے سخت مراحل درپیش ہوئے کہ پہلی کالونی ملت نگر کی تکمیل ہی جوئے شیر لانے کے برابر ثابت ہوگئی۔ بہر حال! آج وہ مسلمانوں کی ایک صاف ستھری اور باوقار آبادی بن گئی ہے۔ جس کی عالیشان مسجد السلام ملت کی وحدت اور اللہ کی رحمت کا مرکز ہے۔

رہائش کا مسئلہ اب اور بھی سنگینی اختیار کر چکا ہے۔ اور ضرورت ہے کہ لوگ سر جوڑ کر بیٹھیں اور کوئی راہ نکال کر اٹھیں۔ یہ فیصلہ کریں کہ اب تنگ و تاریک مکانوں اور کثیف آب و ہوا کے ماحول سے باہر نکل کر خوشگوار فضاؤں میں چل کر بسنا ہے۔ جہاں ان شاء اللہ خوشیوں کے تہوار اندیشوں کے سائے کے بجائے مسرتوں اور انبساط کے ساتھ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے ماحول میں منائیں گے۔

اس موقع پر حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث رہنمائی کرتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

"جب مدینہ منورہ کی آبادی ایک حد سے تجاوز کر جائے تو مزید لوگوں کو آباد ہونے کی اجازت دینے کی بجائے دوسرا شہر آباد کیا جائے۔"

عظیم مفکر علامہ اقبالؒ نے اس کی تشریح میں فرمایا ہے کہ اس میں مصلحت یہ ہے کہ شہر کی آبادی جس قدر بڑھتی جاتی ہے اس کی تہذیبی و اقتصادی توانائی کم ہوتی جاتی ہے۔ جس سے ثقافتی توانائی Cultural Forces کی جگہ Evil Forces محرکات شر لے لیتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اطراف میں نئے شہر Satellite Towns بسائے جائیں۔

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں ایک منصوبہ کا خاکہ درج ذیل ہے۔ اس پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ ماہرین سے رائے مشورہ کر کے ان شاء اللہ آسان حل نکالا جاسکتا ہے۔ اس پروجیکٹ پر بمبئی، بھیونڈی، پونہ، مالیگاؤں، اورنگ آباد اور کوکن کے اضلاع کے علاوہ دیگر شہروں میں کام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ایک وسیع ہاؤسنگ کالونی کا منصوبہ

جس میں سب سے پہلے اللہ کا گھر تعمیر ہو اور اپنے مالک و خالق کے پڑوسی بنتے چلے جائیں۔ اس کے علاوہ مدرسہ، اسکول، جمنازیم، اکھاڑہ، دواخانے، لائبریری، میٹنگ ہال، باغ، جوگرس پارک، کھیل کا میدان اور شاپنگ کمپلیکس کے علاوہ قبرستان بھی ہو۔ اس کالونی کا وقوع نیشنل ہائی وے یا اسٹیٹ ہائی وے سے جڑا ہونا چاہئے۔

آئے دن کے مسلم کش فسادات کی وجہ سے بھی مسلمان شہر کی حدود سے نکلنے کی ہمت نہیں کرتے ہیں اور صاحب غیر مسلم آبادی میں رہ سکتے ہیں۔ بمبئی کے فسادات ۹۳-۱۹۹۲ء کے دوران اعلیٰ قسم کی رہائشی Posh علاقوں میں بھی وہ محفوظ نہیں رہ سکے۔ اس لئے اب گنجان بستیوں سے باہر نکلنے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ ویسے یہ بھی تجربہ پیش آیا ہے کہ بمبئی میں ملت نگر اس دوران نہ صرف نہایت پرسکون رہا بلکہ باوجود ایک محصور بستی ہونے کے اس کے اطراف میں کئی کلومیٹر تک غنڈے اور فسادی اس بستی سے خائف رہے۔ لہٰذا باہر نکل کر اجتماعی طور پر آباد ہونے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ ہماری بستیاں اخوت اور حب الوطنی کی مثال بن سکتی ہیں۔

بیرونی علاقوں میں آراضی بھی بڑی کم قیمت پر دستیاب ہو جاتی ہے۔ اس کالونی کی تعمیر کا ایک تخمینہ درج ذیل ہے۔ اس پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

☆	زمین کا رقبہ تقریباً ایک لاکھ مربع کلومیٹر؛ پچاس روپئے فی میٹر کے حساب سے	۵۰ لاکھ روپے
☆	اس زمین پر تعمیر کی (F.S.I) اگر 1:05 کی شرح سے بھی جوڑا جائے تو پانچ لاکھ مربع فٹ مکانات کی تعمیر ہو سکتی ہے جس کی لاگت تین سو پچاس روپئے کی شرح سے	۷ کروڑ ۵۰ لاکھ روپے
☆	اس منصوبے کے عنوان میں جن سہولیات کا وعدہ کیا گیا ہے مثلاً مسجد اور اسکول وغیرہ؛ اس کی لاگت	۲ کروڑ روپے

☆	کل لاگت تقریباً	۲۰ کروڑ روپے
☆	آمدنی: پانچ لاکھ مربع فٹ کے فلیٹوں کی قیمت فروخت بہت کم داموں یعنی پانچ سو روپے فی مربع فٹ کی شرح سے	۲۵ کروڑ روپے
☆	خالص منافع	۵ کروڑ روپے

نوٹ: (۱) اگر مانگ ہو تو چھوٹے بنگلے Row Houses بھی بنا کر فروخت کئے جاسکتے ہیں۔

(۲) نیز زمین کے کچھ پلاٹس بھی خریدار کی اپنی مرضی سے ڈیولپ کرنے کے لئے دیئے جاسکتے ہیں۔

(۳) پچاس فیصد FSI کو اگر تین منزلہ مکانوں کی تعمیر میں استعمال کیا جائے تو آٹھ لاکھ تینتیس ہزار تین سو چونتیس مربع فٹ کا رقبہ ہمیں کھلی زمین Open Space، کھیلنے کے لئے میسر ہے جو تندرستی کے لئے بیش بہا نعمت ہوگی۔ چار منزلہ Gr.+3 عمارت کا زینہ استعمال عمر کے ایک دور میں سوہان روح ثابت ہوتا ہے۔

(۴) اپنے ٹاؤن شپ میں ہم ٹیلیفون ایکسچینج، پوسٹ آفس، محکمات پولیس اور بجلی وغیرہ کو مکان تعمیر کرکے معقول کرایہ پر بھی دے سکتے ہیں جس سے مستقل آمدنی ہوسکتی ہے۔

(۵) آج کل ملک میں سارے بینک بڑے بڑے کارخانہ داروں، مل مالکوں اور کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے دیوالیہ پن سے نالاں ہیں۔ لہٰذا رہائشی مکانات کے لئے کم شرح سود پر دس سے بیس سالوں تک کے لئے قرض دینے کی ہوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ جو لوگ بڑی لاچاری میں قرض لینے پر مجبور ہوں وہ اس پر غور کرسکتے ہیں۔

(۶) جنگل بستیوں میں رہنے والوں کے لئے بھی یہ منصوبہ کارآمد ہوسکتا ہے۔ —

☆☆☆☆☆

مقالات

توریت میں بشارات محمدیہ ﷺ

(۴)

ابوطولیٰ فلاحی

آٹھویں بشارت: کتاب یسعیاہ میں ہے:

"دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں۔ اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ اے سمندر پر گذرنے والو اور اس میں بسنے والو۔ اے جزیرو اور ان کے باشندو خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثناخوانی کریں خداوند بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔ وہ نعرہ مارے گا ہاں وہ للکارے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا۔ میں بہت مدت سے چپ رہا۔ میں خاموش رہا اور ضبط کرتا رہا۔ پر اب میں دردزہ والی کی طرح چلاؤں گا میں ہانپوں گا اور زور زور سے سانس لوں گا۔ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کرڈالوں گا۔ اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کروں گا اور ان کی ندیوں کو جزیرے بناؤں گا اور تالابوں کو سکھاؤں گا اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا۔ میں ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کردوں گا۔ میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور ان کو ترک نہ کروں گا۔ جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے۔" (باب ۴۲/ ۹-۱۷)

مذکورہ بالا بشارت میں "نئے گیت گانے" سے مراد اس نئے انداز سے خدا کی بندگی کرنا ہے جو شریعت محمدیہ ﷺ میں مشروع ہے۔ پھر اس گیت کا پہاڑوں، بیابان، آبادیوں اور پوری زمین پر بلند کرنے کا حکم آپ ﷺ کی عمومی بعثت سے عبارت ہے۔

''قیدار'' آپ ﷺ کی جانب سب سے قوی تر اشارہ ہے کیونکہ آپ ﷺ قیدار بن اسماعیل کی نسل و ذریت سے ہیں۔

''پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکارنا'' اس مخصوص عبادت کی جانب اشارہ ہے جو ایام حج میں ادا کی جاتی ہے۔ جس میں وادیوں اور چوٹیوں پر لاکھوں لوگ لبیک اللھم لبیک ... کہہ کر خدا کو پکارتے ہیں۔

''جزیروں میں اس کی ثناخوانی کریں'' اس سے اذان کی جانب اشارہ ہے جو قریہ قریہ اور بستی بستی روزانہ پانچ مرتبہ بلند آواز سے پوری دنیا میں گونجتی ہے۔

''خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا'' اس میں جہاد کی جانب اشارہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کا جہاد اللہ کے حکم سے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اور نفسانی خواہشات سے خالی ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس نبی اور اس کے اصحاب کے خروج کو اپنے خروج سے تعبیر فرمایا۔

''میں اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا'' اس میں جہاد کی مشروعیت کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے بعد عربوں کی دینی و مذہبی حالت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ کتاب و شریعت سے ناآشنا اور بتوں کو پوجتے تھے۔ اور مختلف جاہلی رسوم میں جکڑے ہوئے تھے۔ ارشاد باری ہے: ''و ان كانوا من قبل لفي ضلال مبين''

''جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسہ کرتے ہیں....'' اس آیت میں بت پرستوں جیسے مشرکین عرب، صلیب کے پجاریوں کو یہ دھمکی دی گئی ہے کہ ہزیمت و رسوائی ان کا مقدر ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا مشرکین عرب، ہرقل اور کسریٰ تینوں نے نور احمدی کو بجھانے کی بھرپور کوشش کی لیکن ذلت و رسوائی کے علاوہ کوئی چیز انہیں حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ عرب سے شرک کے جملہ نشانات مٹ گئے۔ کسریٰ کا خاتمہ ہوگیا اور اہل صلیب کی حکومت شام سے ختم ہوگئی اور رہے دوسرے علاقے تو بعض جگہوں سے ان کا اثر مٹ گیا جیسے بخاری اور کابل اور بعض جگہوں پر کم ہوگیا جیسے سندھ اور ہند اور مشرق ا مغرب میں توحید پھیل گیا۔

نویں بشارت: زبور میں ہے: ''کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوش رہتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات سے زینت بخشے گا۔ مقدس لوگ جلال پر فخر کریں گے۔ وہ اپنے بستروں پر خوشی سے نغمہ سرائی کریں ان کے منہ میں خدا کی تمجید اور ہاتھ میں دو دھاری تلوار ہو تاکہ قوموں سے انتقام لیں اور امتوں کو سزا دیں۔ ان کے بادشاہوں کو زنجیروں سے جکڑیں اور ان کے سرداروں کو لوہے کی بیڑیاں پہنائیں تاکہ ان کو وہ سزا دیں جو مرقوم ہے اس کے سب مقدسوں کو یہ شرف حاصل ہے۔''

یہ بشارت صرف مسلمانوں کے ہاتھوں پوری ہوئی جنھوں نے مذکورہ بالا امور اللہ کے نام سے اسی کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لئے انجام دیا۔

دسویں بشارت: کتاب یسعیاہ میں ہے ''اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر، تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا خوشی سے گا اور زور سے چلا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے۔ اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کر دے۔ ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا، دریغ نہ کر، اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر اس لئے کہ تو دہنی اور بائیں طرف بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران شہروں کو بسائے گی۔ خوف نہ کر کیونکہ تو پھر پشیمان نہ ہوگی، تو نہ گھبرا کیونکہ تو پھر رسوا نہ ہوگی اور اپنی جوانی کا ننگ بھول جائے گی اور اپنی بیوگی کی عار کو پھر یاد نہ کرے گی کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے۔ اس کا نام رب الافواج ہے اور تیرا فدیہ دینے والا اسرائیل کا قدوس ہے وہ تمام روئے زمین کا خدا کہلائے گا کیونکہ تیرا خدا فرماتا ہے کہ خداوند نے تجھ کو متروکہ اور دل آزردہ بیوی کی طرح ہاں جوانی کی مطلقہ بیوی کی مانند پھر بلایا ہے۔ میں نے ایک دم کے لئے تجھے چھوڑ دیا لیکن رحمت کی فراوانی سے تجھے لوں گا۔ خداوند تیرا نجات دینے والا فرماتا ہے کہ قہر کی شدت میں میں نے ایک دم کے لئے تجھ سے منہ چھپایا پر اب میں ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کروں گا کیونکہ میرے لئے یہ طوفان نوح کا سا معاملہ ہے کہ جس طرح میں نے قسم کھائی تھی کہ پھر زمین پر نوح کا سا طوفان کبھی نہ آئے گا اسی طرح اب میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہوں گا اور تجھ کو نہ جھڑکوں گا۔ خداوند تجھ پر رحم کرنے والا یوں فرماتا ہے کہ پہاڑ تو جاتے رہیں اور ٹیلے ٹل جائیں لیکن

میری شفقت تجھ پر سے جاتی نہ رہے گی اور میرا صلح کا عہد نہ ٹلے گا۔"

اے مصیبت زدہ اور طوفان کی ماری اور تسلی سے محروم دیکھ میں تیرے پتھروں کو پیار سے جڑ کر لگاؤں گا اور تیری بنیاد نیلم سے ڈالوں گا، میں تیرے کنگروں کو لعلوں اور تیرے پھاٹکوں کو شب چراغ اور تیری ساری فصیل بیش قیمت پتھروں سے بناؤں گا۔ اور تیرے سب فرزند خداوند سے تعلیم پائیں گے اور تیرے فرزندوں کی سلامتی کامل ہوگی۔ تو راستبازی سے پائیدار ہوگی اور دہشت سے دور رہے گی کیونکہ وہ تیرے قریب نہ آئے گی۔ ممکن ہے وہ کبھی اکٹھے ہوں پر میرے حکم سے نہیں جو تیرے خلاف جمع ہوں گے تیرے ہی سبب سے گریں گے۔ دیکھ میں نے لوہار کو پیدا کیا جو کوئلوں کی آگ دھونکتا اور اپنے کام کے لئے ہتھیار نکالتا ہے اور غارت گر کو میں نے ہی پیدا کیا کہ لوٹ مار کرے۔ کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے کام نہ آئے گا۔ اور جو زبان عدالت میں تجھ پر چلے گی تو اسے مجرم ٹھہرائے گی۔ خداوند فرماتا ہے: یہ میرے بندوں کی میراث ہے اور ان کی راستبازی مجھ سے ہے۔ (باب رقم ۵۴، ۱-۱۷)

پہلی آیت میں "بانجھ" سے مراد مکہ معظمہ ہے کیونکہ اسماعیلؑ کے بعد وہاں سے نہ کوئی نبی ظاہر ہوا اور نہ ہی وہاں کوئی وحی اتری۔ رہا یروشلم تو وہاں سے متعدد انبیاء کا ظہور ہوا اور کثرت سے وحی نازل ہوتی رہی۔

"بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد" اصل عربی متن میں "بنو الوحشة" کے الفاظ ہیں۔ یعنی صحراء کے ساکنین۔ ان سے مراد ہاجرہ کی اولاد ہے جو یروشلم سے دور عرب کی بے آب و گیاہ وادی میں آباد کی گئی تھی۔ اسی لئے اسماعیلؑ کے تعلق سے خروج میں ہے: "یہ عنقریب ایک صحرا نشین انسان ہوگا"

"ایک شوہر والی اولاد" سے مراد سارہ کی نسل و ذریت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکہ المکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے مکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کیونکہ ہاجرہ کے بہت سارے لڑکوں کو سارہ کی اولاد پر فضیلت حاصل ہوگی اور اس کے سبب تمہیں بھی فضیلت مل گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کرتے ہوئے ہاجرہ کی اولاد میں سے محمد عربی ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔

"آگ میں پھونکنے والے لوہار" سے مراد محمد عربی ﷺ ہیں جو سرکش قوموں کو ہلاک

کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ اور آپ کی برکت سے مکہ المکرمہ کو وہ برکت و عظمت نصیب ہوئی جو دنیا کی کسی اور عبادت گاہ کو نصیب نہ ہوئی۔ بعثت محمدی ﷺ سے لے کر آج تک ہر سال اس کے دامن میں لاکھوں جانوروں کی قربانیاں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ عظمت یروشلم کو پوری تاریخ میں صرف دو ہی بار حاصل ہوئی۔ ایک بار ہیکل کی تکمیل کے بعد عہد سلیمانی میں اور دوسری بار یوشیاہ کے عہد میں۔

خانہ کعبہ کی تعظیم و توقیر کا یہ سلسلہ ان شاء اللہ قیامت جاری رہے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان فرمودات میں وعدہ فرمایا ہے: "خوف نہ کر کیونکہ تو پھر پشیمان نہ ہوگی تو نہ گھبرا کیونکہ تو پھر رسوا نہ ہوگی"۔

"لیکن رحمت کی فراوانی سے تجھے لوں گا" "اب میں ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کروں گا خداوند تجھ پر رحم کرنے والا یوں فرماتا ہے کہ پہاڑ ٹوٹ جائیں اور ٹیلے ٹل جائیں لیکن میری شفقت تجھ پر سے جاتی نہ رہے گی"۔

"تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران شہروں کو بسائے گی" یہ وعدہ بھی اہل مکہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا۔ ہجرت کے بعد صرف ۲۳ سالوں کے اندر مشرق و مغرب میں اہل مکہ کی سلطنت قائم ہوگئی۔ اتنی مختصر مدت میں اتنے عظیم علاقوں کی فتح عہد آدم سے عہد محمدی ﷺ تک کسی دور میں حاصل نہ ہوئی۔

سلاطین اسلام نے ہر زمانے اور ہر دور میں خانہ کعبہ کی تعمیر و تزئین مکہ المکرمہ کے کنوؤں اور چشموں کی کھدائی و صفائی پر بھرپور توجہ صرف کی۔ ظہور اسلام سے لے کر آج تک اولیاء کرام مکہ کے جوار کے طالب اور اس کی قربت میں دفن کی شدید خواہش کی بناء پر دنیا کے ہر خطے سے یہاں آکر آباد ہوتے رہے ہیں۔ ہر ملک و خطہ میں لاکھوں لوگ اس کی جانب رخ کر کے نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اللہ نے یہ وعدہ بالکل سچ فرمایا "کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے گا کام نہ آئے گا" یعنی ہر وہ شخص جو تیری عظمتوں کو خاک میں ملانے کے لئے اٹھے گا ذلیل و رسوا ہوگا اور اس کا وہی حشر ہوگا جو ابرہہ اور اس کے ساتھیوں کا ہوا۔

گیارھویں بشارت: کتاب اسعیاہ میں ہے۔

''جو میرے طالب نہ تھے میں ان کی طرف متوجہ ہوا۔ جنھوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا مجھے پالیا۔ میں نے ایک قوم سے جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی فرمایا دیکھ میں حاضر ہوں۔ میں نے سرکش لوگوں کی طرف جو اپنی فکروں کی پیروی میں بری راہ پر چلتے ہیں ہمیشہ ہاتھ پھیلائے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ میرے روبرو باغوں میں قربانیاں کرنے اور اینٹوں پر خوشبو جلانے سے مجھے برافروختہ کرتے ہیں، جو قبروں میں بیٹھتے اور پوشیدہ جگہوں میں رات کاٹتے اور سور کا گوشت کھاتے ہیں اور جن کے برتنوں میں نفرتی چیزوں کا شوربا موجود ہے جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ، میرے نزدیک نہ آ کیونکہ میں تجھ سے زیادہ پاک ہوں۔ یہ میری ناک میں دھوئیں کی مانند اور دن بھر جلنے والی آگ کی طرح ہیں۔ دیکھو یہ میرے آگے لکھا ہوا ہے میں خاموش نہ رہوں گا بلکہ بدلہ دوں گا''۔ (باب ۶۵۔۱۔۷)

''جو میرے طالب نہ تھے'' ان سے مراد اہل عرب ہیں جو کتاب و شریعت سے ناآشنا اور توحید سے ناواقف تھے۔ اسماء الٰہی اور صفات باری کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ وہ نہ تو اللہ تعالیٰ سے سوال ہی کرتے تھے اور نہ ہی اس کی معرفت کے طالب تھے جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے:

"لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولاً من أنفسهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة و ان كانوا من قبل لفي ضلال مبين" (الآية : ١٦٤)

ان سے یونانیوں کو مراد لینا صحیح نہیں کیونکہ وہ انتہائی متمدن اور ترقی یافتہ تھے۔ ''جو قبروں میں بیٹھتے اور پوشیدہ جگہوں میں رات کاٹتے اور سور کا گوشت کھاتے ہیں.....'' ان سے مراد نصاریٰ ہیں اور ''جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ، میرے نزدیک نہ آ'' ان سے مراد یہود ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قوموں کو دھتکارتے ہوئے منصب قیادت کے لئے اہل عرب کو منتخب فرمایا اور خاتم النبیین کو ان میں سے مبعوث فرمایا۔

☆☆☆☆☆

مسلمانوں کی ذلت وخواری کے اسباب

سعید ریاض فلاحی

بلیا کلیان پور

عصر حاضر میں مسلمان ذلت وخواری و پسماندگی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ مغلوبیت و مقہوریت ان کا حصہ بن چکی ہے۔ کہیں انھیں ان کے جائز و واجب حقوق سے محروم کیا جارہا ہے تو کہیں ان پر ظلم واستبداد کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ کہیں انسانی خون ارزاں ہے تو کہیں انہیں لادینیت کی طرف آنے پر مجبور کیا جارہا ہے تو کہیں مسجدوں کو منہدم کیا جارہا ہے اور نمازیوں کو شہید کیا جارہا ہے۔ تو کہیں مسلم عورتوں اور دوشیزاؤں کی عزت وعصمت کو پامال کیا جارہا ہے۔ غرض یہ کہ مسلمانوں کے خلاف کافروں، ملحدوں، یہودیوں اور نصرانیوں کی ظلم وسفاکی اپنے انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ جس کا بنیادی سبب صرف اور صرف ہمارے باہمی اختلافات وانتشار اور کتاب وسنت سے دوری ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے ہماری کامیابی وکامرانی کا ضامن قرآن حکیم اور اطاعت رسول ﷺ کو قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''و أطيعوا الله و رسوله ولا تنازعوا فتفشلوا و تذهب ريحكم و اصبروا انّ الله مع الصابرين'' سورۃ الانفال (۱۹)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور ثابت قدم رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

اطاعت خدا اور اطاعت رسول، باہمی اتفاق و ثبات کو ایک ہی آیت میں جمع کر دینے کا منشاء الٰہی یہی ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی وکامرانی کا راز انہی میں مضمر ہے۔ برخلاف صورت میں ذلت و خواری مسلمانوں کا حصہ ہے۔ جیسا کہ آج مشاہدہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت

ڈال کر جب آپسی اختلافات و انتشار میں گھر گئے تو کافر قوموں نے انہیں ہر طرح سے ذلیل و خوار کیا۔

باہمی تفرقہ و انتشار تو یہود و نصاریٰ کا شیوہ تھا۔ ان کے علماء و احبار حب مال اور حب جاہ کی وجہ سے تفرقے ڈالتے تھے مگر افسوس کہ آج مسلمان اسی پر عمل پیرا ہیں۔ آج مسلمانوں نے کتاب و سنت کی تعلیمات کو فراموش کر کے مغربیت و دہریت کی کھوکھلی تہذیب و ثقافت کے نرغے میں آ کر امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے میں تقسیم کر دیا ہے، کہیں فرقہ بندی ہے اور کہیں ذات پات کی اجارہ داری ہے۔ غیر مسلموں کی تقلید اور غیر شرعی رسوم و رواج نے ہمیں ذلت و پستی کے انتہائی درجے تک پہنچا دیا۔ نہ ہمیں فرمان الٰہی "ولا تکونوا کالذین تفرقوا و اختلفوا من بعد ما جاءھم البینٰت" (آل عمران) کا احساس رہا اور نہ ہی حدیث رسولؐ "الا فلا ترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض" کا، جس کی نبی کریمؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بڑی تاکید کی تھی۔ مگر افسوس کہ ان پاک فرامین کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔ آج مسلم بھائی اپنے بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔ فرقہ واریت نے مسلمانوں کو صراط مستقیم سے ہٹا کر راہ شیطانیت پر لا کھڑا کیا ہے۔ ایسے ایسے مسائل پیدا ہو رہے ہیں جن کا اسلام کی بنیادی باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ مسائل نہ صحابہ کرامؓ کے دور میں پیدا ہوئے اور نہ سلف صالحین کے دور میں۔ اسی فرقہ واریت کی وجہ سے اب سیدھے سچے دین کی تمیز کرنا عام افراد کے لئے انتہائی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔

انہیں اختلافات کی بنا پر آج مسلمانوں کے خلاف انسانیت سوز کھیل کھیلے جا رہے ہیں۔ آج مسلمان انتہائی ذلت و پستی میں گھرے ہوئے ہیں۔ چیچنیائیوں اور کشمیریوں کو ان کے حق خود ارادیت سے محروم کر دینا اور فلسطین (قبلہ اول) میں اسرائیلی صیہونیت کا تسلط انہیں فکری و فقہی انتشار و اختلافات اور باہمی تنازعات کا نتیجہ ہے۔ افغانستان، عراق اور گجرات میں جو انسانی خون بہایا گیا اس سے عام آدمی بھی واقف ہے اور اب پورا عالم اسلام اس کی لپیٹ میں ہے حتیٰ کہ مرکز اسلام، گہوارۂ امن مملکت سعودی عرب میں بھی روزانہ حادثات رونما ہو رہے ہیں۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

ظلم و استبداد سے نجات کا واحد حل صرف کتاب و سنت سے رشتہ استوار کرنے میں ہے۔ وہ

ہمارے ہی اسلاف تھے جنھوں نے قرآن و سنت کا دامن مضبوطی سے پکڑا تو پورے اقوام عالم پر غالب ہو گئے۔ اور ہم نے اس سے بے توجہی برتی تو ذلت و خواری نے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انہیں حالات کے پیش نظر شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اپنے جذبات کی عکاسی کچھ یوں کی ہے:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

یعنی انھوں نے قرآن و حدیث سے رشتہ استوار رکھا اور اتفاق و اتحاد کو اپنا شیوہ بنایا تو ساری دنیا ان کے قدموں میں آ گئی حتیٰ کہ قیصر و کسریٰ جیسی سلطنت کو تاخت و تاراج کیا۔ اور ہم نے کتاب و سنت کو پس پشت ڈال کر مغربیت کی تقلید کی تو اقوام عالم نے ہم پر دھاوا بول دیا اور ہمیں ذلت و پسپائی کے گہرے کھڈ میں ڈال دیا۔

اگر ہم آج بھی "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" کے مصداق پر عمل کرتے ہوئے زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں تو ایک مستحکم معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔ اقوام عالم کو شکست و ریخت سے دوچار کر کے پوری دنیا میں اسلامی نظام قائم کر سکتے ہیں اور ہر طرح کی ذلت و خواری سے نکل کر عزت و عظمت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں کیونکہ ہماری فلاح و بہبود کتاب و سنت سے رشتہ استوار کرنے میں ہے۔ اگر ہم احکام خداوندی پر چلتے رہیں تو معاشرے میں پائیدار انقلاب لا سکتے ہیں اور اگر ہم نے اس سے انحراف کیا تو اقوام عالم ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔

لہٰذا اس موجودہ ذلت و خواری سے نجات حاصل کرنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ کتاب و سنت سے رشتہ استوار کیا جائے کیونکہ ہماری پسماندگی و خواری کا واحد حل صرف اور صرف کتاب و سنت ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کی صحیح سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور کتاب و سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم میں باہمی اتفاق و اتحاد پیدا کرے۔ (آمین یارب العالمین)

وما توفیقی الا باللہ

☆☆☆☆☆

تعارف کتب

اسلامی مصادر کا تعارف

(۱۲)

ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان
جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ

فقہ مالکی کے مصادر:

مواہب الجلیل لشرح مختصر الشیخ خلیل : ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن المکی المعروف بالحطاب (۹۵۴)

مختصر الشیخ خلیل کی یہ شرح ہے اس کے جملہ مسائل کی توضیح وتشریح کے ساتھ حسب ضرورت اضافے اور مناسبتوں کا بھی تذکرہ ہے۔ اقوال کی نسبت اور ان کی توجیہ کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ کتاب فقہ مالکی کی مشہور و معتمد ترین کتاب ہے۔

شرح الزرقانی علیٰ مختصر خلیل: عبدالباقی بن یوسف الزرقانی (۱۰۹۹)

مختصر خلیل کی مشہور ترین اور معتبر شرحوں میں سے ایک ہے۔ مؤلف نے اسے مذہب مالکی کی معتمد کتابوں سے استفادہ کر کے ترتیب دیا ہے اور خصوصاً مختصر کی شرحوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مختلف شرحوں سے استفادہ کی جانب درج ذیل رموز سے اشارہ کیا گیا ہے: "عج" سے مراد شیخ علی الاجھوری، لفظ "ح" سے مراد حطاب "تت" تتائی کے لئے "ز" شیخ احمد زرقانی کے لئے اور "مق" سے ابن مرزوق کی جانب "ق" سے مواق کی جانب "غ" سے ابن غازی کی جانب "شخ" سے طخیخی اور "صر" سے ناصر لقانی اور "ق" سے شیخ ابراہیم اللقانی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

محمد البنانی اور تاودی نے اس شرح پر حاشیہ آرائی کی ہے اور ناقص و نا تمام مسائل کی تصحیح کی ہے۔ یہ شرح اپنے ان دونوں حاشیوں سمیت مذہب مالکی کی اہم ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔

الخرشی علی مختصر سیدی خلیل : مختصر الشیخ خلیل بن اسحاق کی شرح ہے۔ عبارت آسان، اسلوب بیان بالکل واضح ہے۔ اختصار مخل اور بے جا طوالت سے احتراز کیا گیا ہے۔

فقہی مواد کے لحاظ سے پر ہے۔ لغوی تحلیل کی جانب بھی بھرپور توجہ دی گئی ہے۔

علامہ علی بن احمد الصعیدی العدوی نے اس شرح پر حاشیہ آرائی کی ہے جو "حاشیۃ العدوی" کے نام سے معروف ہے۔

الشرح الکبیر علی مختصر سیدی خلیل : احمد بن محمد بن احمد بن ابی حامد العدوی الخلوتی الشہیر بالدردیر (۱۲۰۱ھ)

مختصر خلیل کی مختصر شرح ہے۔ اس میں غامض الفاظ کی شرح اور مطلق الفاظ کی تقیید پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ مسلک کے صرف معتبر اقوال کا تذکرہ ہے۔ جن مسائل میں صرف ایک قول پر اکتفاء کیا گیا ہے تو در اصل یہ مؤلف کے نزدیک متفق بہ قول کی جانب اشارہ ہے خواہ بعض شارحین نے اس کے برعکس قول کو معتمد ٹھہرایا ہو۔

حاشیۃ الامام الرھونی علی شرح الزرقانی لمختصر خلیل :
(أوضح المسالک و أسھل المراقی الیٰ سبک ابریز الشیخ عبد الباقی)
محمد بن احمد بن محمد بن یوسف الرہونی (۱۲۳۰ھ)

آپ نے اس حاشیہ میں ابو عبداللہ سیدی محمد التاودی بن الطالب الاندلسی اور ابو عبداللہ سیدی محمد بن الحسن البنانی، دونوں کے حاشیوں کو یکجا کر دیا ہے اور ساتھ ہی بعض فروع اور مسائل کا اضافہ بھی فرمایا ہے۔ دونوں محشیوں سے جو نکات رہ گئے تھے آپ نے ان کی تکمیل فرمائی اور جن مسائل کی نسبت میں ان دونوں نے غلطی کی تھی اس کی تصحیح فرمائی۔ کتاب کے آغاز میں علم کی فضیلت، تعلم اور تاودی، شیخ بنانی اور شیخ جنوی کی مختصر سوانح حیات بھی درج کی ہے۔

حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر : محمد بن احمد بن عرفہ الدسوقی (۱۲۳۰ھ)

یہ حاشیہ شیخ احمد دردیر کی شرح پر بعض تشریحات وتمہیدات کی شکل میں ہے جو سابقہ شارحین کی شرحوں سے ماخوذ ہے۔ جن شارحین سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی جانب درج ذیل رموز کے ذریعہ اشارہ کر دیا گیا ہے:

بن : علامہ سیدی محمد البنانی (شیخ عبدالباقی کی شرح پر حاشیہ آرائی کی ہے)

طفی : مصطفی الرماصی

ح : علامہ سیدی محمد الحطاب

شیخنا : علامہ ابوالحسن علی بن احمد الصعیدی العدوی

عبق : علامہ شیخ عبدالباقی الزرقانی

شب : شیخ ابراہیم اشبر خیتی

خش : علامہ سیدی محمد الخرشی

مج : مجموع خاتمۃ المحققین الشیخ محمد الامیر

المجموع الفقهی فی مذهب الامام مالك : محمد بن محمد بن احمد بن عبدالقادر بن عبد العزیز السنباوی المعروف بالامیر (۱۲۳۲ھ)

فقہ مالکی پر اجمالی مختصر متن ہے۔ مؤلف نے متاخرین کے نزدیک مفتی بہا اقوال کو صرف یکجا کیا ہے۔ خرشی نے اپنی کتاب "المختصر" میں جو غیر مفتی بہ اقوال درج کر دیئے تھے ان پر استدراک کیا گیا ہے۔

اس مختصر متن کی خود مؤلف نے "ضوء الشموع علی شرح المجموع" کے نام سے شرح کی ہے۔ اس پر علامہ حجازی عدوی کا بھی حاشیہ ہے۔ اس حاشیہ میں آپ نے کتاب کی اہمیت پر یوں روشنی ڈالی ہے: "سیدی محمد بن محمد الامیر کی کتاب "المجموع" مختصر اور ضخامت کے لحاظ سے معمولی ہونے کے باوجود بھی اکثر مسائل پر مشتمل ہے اور بعض قیمتی فقہی و علمی فوائد بھی اس میں درج ہیں۔ اسلوب بیان واضح اور مسائل کے بیان میں بھرپور تدقیق سے کام لیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

مذاہب عالم

توریت کا تعارف

انیس احمد مدنی

شریعت موسویہ اور شریعت محمدیہ میں بنیادی فرق

شرائع الہیہ میں باہم کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ محمدی اور موسوی شریعت میں جو بنیادی فرق پائے جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہودیوں کو ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں چند نعمتوں سے محروم کر دیا گیا۔ اور بعض سختیاں ان پر ان کی شرارتوں اور احکام کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے عائد کر دی گئی تھی۔

دونوں شریعتوں میں فرق کی ایک اہم وجہ حالات کا اختلاف بھی رہا ہے۔ مثلاً زمانہ و ملک کے اختلاف کی بنا پر قربانی کے احکام و تفصیلات میں دونوں شریعتوں میں کافی فرق پایا جاتا ہے البتہ روح مشترک ہے کہ صرف اللہ کے نام پر قربانی کی جائے۔ کب کی جائے، کہاں کی جائے، کس طرح کی جائے ان تفصیلات میں دونوں شریعتیں مختلف رہی ہیں۔

موجودہ موسوی و محمدی شریعتوں میں بنیادی طور پر درج ذیل اہم فروق پائے جاتے ہیں۔

[۱] اسلامی شریعت کی بنا سہولت و آسانی اور نرمی پر ہے "یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے۔ سختی کرنا نہیں چاہتا" (سورۃ البقرہ: ۱۸۵) جب کہ یہودی شریعت سختی پر مبنی ہے۔ مثلاً سبت کے قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں توریت رجم کی سزا تجویز کرتی ہے جب کہ اسلام صرف "ختم قلوب" کی سزا مقرر کرتا ہے۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ ہر طرح کے زانیوں کے لئے توریت رجم کی قائل ہے۔ جب کہ قرآن دونوں کے لئے ان کے جرم کے لحاظ سے الگ الگ سزا تجویز کرتا ہے۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے اور غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے کی سزا دیتا ہے۔

اسلام میں بنیادی قاعدہ ہے "وجزاء سیئة سیئة مثلها" برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی

سے دیا جائے گا۔ بیل کی چوری کے بعد چور اسے ذبح کر دے یا بیچ ڈالے تو اس پر ویسا ہی بیل واپس کرنا لازم ہوگا جب کہ توریت کا بیان ہے "اگر کوئی آدمی بیل یا بھیڑ چرا لے اور اسے ذبح کر دے یا بیچ ڈالے تو وہ ایک بیل کے بدلے پانچ بیل اور ایک بھیڑ کے بدلے چار بھیڑیں بھرے" (خروج ۲۲/۱)

توریت کے یہ احکام بھی ملاحظہ ہوں!

{۱} آدمی چوری کی سزا قتل ہے۔

"اور جو کوئی کسی آدمی کو چرائے خواہ وہ اسے بیچ ڈالے خواہ وہ اس کے ہاں ملے وہ قطعی مار ڈالا جائے" (خروج ۲۱/۱۶)

{۲} والدین پر لعنت بھیجنے والے کی سزا قتل ہے۔

"اور جو اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے وہ قطعی مار ڈالا جائے" (خروج ۲۱/۱۷)

[۲] اسلامی شریعت کی ایک اہم خوبی اس کا تنگیوں سے پاک ہونا ہے۔

"وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (سورۃ الحج: ۷۸) اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ یعنی تمہاری زندگی کو ان تمام بے جا قیود سے آزاد کر دیا گیا ہے جو پچھلی امتوں کے فقیہوں اور فریسیوں اور پاپاؤں نے عائد کر دی تھیں نہ یہاں فکر و خیال پر وہ پابندیاں ہیں جو علمی ترقی میں مانع ہوں اور نہ عملی زندگی پر وہ پابندیاں ہیں جو تمدن اور معاشرے کی ترقی میں رکاوٹ بنیں" اس کے برعکس یہودی شریعت بے جا قیود اور پابندیوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً حائضہ اور مستحاضہ عورت کے اوپر خون کے انقطاع کے بعد خدا کی بارگاہ میں دو قمریوں کی قربانی گزارنے کو لازم کیا گیا ہے گویا ان دونوں نے کسی گناہ یا غلطی کا ارتکاب کیا ہو۔ ایسے ہی قسامہ میں بچھیا کو بہتے پانی کی وادی میں لے جا کر اس کی گردن کو توڑ کر اس کے خون سے متہمین کا اپنے اپنے ہاتھ دھو کر قتل سے اپنے بری ہونے کا اعلان کرنا۔

اور جیسے لاش اور قبر کو چھونے والے کا سات دن تک ناپاک رہنا اور پھر پاکی کے حصول کے لیے خطا کی قربانی کی راکھ کو کسی برتن میں رکھ کر بہتے پانی پر ڈالنے کے بعد کسی پاک آدمی کا اس ناپاک آدمی کے اوپر تیسرے دن اور ساتویں دن چھڑکاؤ کے بعد ساتویں دن صاف کرنا اور پھر وہ ناپاک شخص اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے نہائے تو وہ شام کو پاک ہوگا۔ (گنتی ۱۹/۱۸-۱۹)

[۳] برکتوں کے حصول، خدا کی رحمتوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے بنو لاوی کے کاہنوں کا وسیلہ لازمی ہے۔ مختلف قسم کی قربانیاں انہیں کے توسط سے مقبول ہوں گی۔ سفر استثناء میں ہے: "تب بنو لاوی جو کاہن ہیں نزدیک آئیں کیونکہ خداوند تیرے خدا نے انہیں چن لیا ہے کہ خداوند کی خدمت کریں اور اس کے نام سے برکت دیا کریں (۲۱/۵)

اس کے برعکس قرآن مجید کی رو سے ہر انسان براہ راست خدا کی بارگاہ میں نذرانے پیش کر سکتا ہے قربانیاں گزار سکتا ہے یہاں کاہنوں اور ربیوں کا وسیلہ ضروری نہیں۔

[۴] احوال و ظروف کے لحاظ سے اسلام میں احکام بدل جاتے ہیں سفر کی بنا پر قصر اور افطار کی اجازت ہے حالت حیض میں نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ معذوری اور بیماری کی صورت میں پاکی کے حصول کے لئے کڑی شرطیں نہیں ہیں، رعاف کا مریض، سلس البول کا شکار نماز کے وقت مجرد وضو کر لینے کی بناء پر حکماً پاک مان لیا جاتا ہے اور جملہ عبادات انجام دے سکتا ہے۔ حتی کہ نماز کی حالت میں بہنے والی رعاف اس کی پاکی کو متاثر نہیں کرتی۔ اس کے برعکس یہودی شریعت میں جریان کا مریض اس وقت تک ناپاک رہتا ہے جب تک کہ وہ اس بیماری سے شفا نہ پا جائے اور پھر خطا کی قربانی نہ گزار دے۔

توریت میں آخرت کا تصور

اسفار خمسہ، قیامت، مناظر قیامت، جنت، دوزخ اور حشر و نشر کے تذکرہ سے خالی ہیں۔ یہ بات بے حد دلچسپ اور حیرت انگیز ہے کہ یہودیوں کے بعض فرقے (فریسیین) یوم آخرت اور حشر و نشر پر یقین رکھتے ہیں جب کہ فرقہ صدوقیون حشر و نشر اور حساب و کتاب پر یقین نہیں رکھتا، توریت اور اس سے ملحق اسفار کے اس باب میں سکوت کی بناء پر ہی بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ بابلی کے بعد دیگر مذاہب و اقوام کے یہودی تہذیب و تمدن پر جو عالمگیر اثرات پڑے ہیں ان میں سے ایک اہم اثر حشر و نشر پر ایمان بھی ہے وہ کہتے ہیں اس کی سب سے بڑی دلیل بابلی اسیری سے پہلے کے اسفار کا حشر و نشر

کے عقیدہ سے خالی ہونا اور اسیری کے بعد کے بعض صحائف میں اس عقیدہ کا پایا جانا ہے چنانچہ سفر دانیال جو عہد اسیری کا لکھا ہوا ہے اس میں اس بابت یہ الفاظ وارد ہیں۔

''اور جو خاک میں سو رہے ہیں۔ ان میں سے بہتیرے جاگ اٹھیں گے بعض حیات ابدی کے لیے اور بعض رسوائی اور ذلت ابدی کے لیے (۳/۱۲)

لیکن قرآن مجید کے بقول توریت بھی حساب وکتاب اور حشر ونشر کی اسی طرح قائل تھی جس طرح دیگر آسمانی کتابیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! ''ان الساعة آتية اكاد اخفيها لتجزى كل نفس بما تسعى''۔

موسیٰ علیہ السلام ذات باری سے مناجات کرتے ہوئے یوں پکارتے ہیں۔ ''واكتب لنا فى هذه الدنيا حسنة وفى الأخرة انا هدنا اليك''۔

طالوت علیہ السلام کے بعض نیک فوجی جالوت سے مقابلہ کے وقت بعض فوجیوں کے کترانے پر یوں ڈھارس بندھاتے ہیں:

قال الذين يظنون انهم ملاقوا الله كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين''۔

البتہ بعد میں یہودیوں نے اس عقیدہ سے انحراف کر لیا جسے قرآن نے یوں درج فرمایا ہے۔

''وقالوا لن تمسنا النار الا أياما معدودة قل اتخذ تم عند الله عهدا فلن يخلف الله عهده أم تقولون على الله مالا تعلمون''۔

وقالوا لن يدخل الجنة الا من كان هودا اونصارى تلك امانيهم قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔

پھر یہ تصور بھی ماند پڑتا گیا چنانچہ یہودی اسفار کے کسی طالب علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ ایمان باللہ اور نیک اعمال کے عوض میں یہ اسفار دنیاوی نعمتوں کے حصول (جیسے دشمنوں پر غلبہ، خیرات وبرکتوں کا نزول) کی جزاء تجویز کرتے ہیں اور گناہوں پر ملنے والی سزا کی تعبیر یہ اسفار صرف دنیا میں

حاصل ہونے والی مغلوبیت، قید وبند کی صعوبتیں، مویشیوں اور اموال کی ہلاکت سے کرتے ہیں۔

''دیکھئے بنو اسرائیل فی القرآن: ۱۴۱-۱۴۳، الیہود یہ والیہود۔ ڈاکٹر علی الوافی ص ۴۹-۵۰، الیہود یہ احمد شلبی: ۱۹۵''

توریت میں مملکت اسرائیل کا تصور

توریت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فلسطین کے علاقے کو بنی اسرائیل کے آباء واجداد کو دے دیا تھا اور یہ عہد فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل اگر شریعت پر کار بند رہے تو میراث کے اس ملک کے وہ مالک بنے رہیں گے چنانچہ خود خدا بھی اس عہد کے مطابق بنی اسرائیل کو یہ ملک دینے کا پابند ہے۔

کتاب پیدائش میں ہے: ''پھر خدا نے اس سے کہا کہ میں خدائے قادر مطلق ہوں تو برومند اور بہت ہو جا۔ تجھ سے ایک قوم بلکہ قوموں کے جتھے پیدا ہوں گے اور بادشاہ تیرے صلب سے نکلیں گے اور یہ ملک جو میں نے ابراہام اور اضحاق کو دیا ہے سو تجھ کو دوں گا اور تیرے بعد تیری نسل کو بھی یہی ملک دوں گا (۱۲/۳۵)۔

سفر استثناء میں ہے: ''میں نے خداوند اپنے خدا کی بات مانی ہے اور جو کچھ تو نے حکم دیا ہے اسی کے مطابق عمل کیا۔ آسمان پر سے جو تیرا مقدس مسکن ہے نظر کر اور اپنی قوم اسرائیل کو اور اس ملک کو برکت دے جس ملک میں دودھ اور شہد بہتا ہے اور جس کو تو نے اس قسم کے مطابق جو تو نے ہمارے باپ دادا سے کھائی ہم کو عطا کیا (۱۰/۲۶)۔

(میراث کے ملک کی سرحدیں)

اسرائیل کی پارلیمنٹ پر یہ الفاظ کندہ ہیں۔

''اے اسرائیل تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں'' یہ سرحدیں توریت سے ماخوذ ہیں کتاب پیدائش میں اس ملک کی سرحدوں کا یوں تذکرہ کیا گیا ہے۔ ''اسی روز خداوند نے ابرام سے عہد کیا اور فرمایا کہ یہ ملک دریائے مصر سے لے کر اس بڑے دریا یعنی فرات تک قینیوں، اور قنیزیوں اور

قدمونیوں اور قنیوں اور فرزیوں اور رفائیم اور اموریوں اور کنعانیوں اور جرجاسیوں اور یبوسیوں سمیت میں نے تیری اولاد کو دیا ہے (پیدائش ۱۵/۱۹۔۲۱)

سفر استثناء میں ہے: ''کیونکہ اگر تم ان سب حکموں کو جو میں تم کو دیتا ہوں جانفشانی سے مانو اور ان پر عمل کرو اور خداوند اپنے خدا سے محبت رکھو اور اس کی سب راہوں پر چلو اور اس سے لپٹے رہو تو خداوند ان سب قوموں کو تمہارے آگے سے نکال !! دے گا اور تم ان قوموں پر جو تم سے بڑی اور زورآور ہیں قابض ہوگے۔ جہاں جہاں تمہارے پاؤں کا تلوا ٹکے وہ جگہ تمہاری ہو جائے گی یعنی بیابان اور لبنان سے دریائی فرات سے مغرب کے سمندر تک تمہاری سرحد ہوگی۔ (استثنا ۱۱/۲۴۔۲۵)

صیہونی تحریک نے اسرائیل کا جو نقشہ شائع کیا ہے اس کی رو سے اسرائیل کے رقبہ میں دریائے نیل تک مصر، پورا اردن، پورا شام، پورا لبنان، عراق کا بڑا حصہ، ترکی کا جنوبی علاقہ اور مدینہ منورہ تک حجاز کا پورا بالائی علاقہ شامل ہے۔

☆☆☆☆☆

تجربات ومشاہدات

حکیم محمد ایوب رحمۃ اللہ علیہ

نسیم غازی (دہلی)

محترم حکیم محمد ایوب صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات جنوری ۱۹۶۱ء میں ان کے وطن بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی میں ہوئی۔ میرے سرپرست مولانا سید حامد علی صاحبؒ نے علم دین کے حصول کے لئے مجھے جامعۃ الفلاح بھیجا تھا۔ مولانا (مرحوم) نے محترم حکیم صاحب کو پہلے ہی خط لکھ کر میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور مجھے بھی ہدایت فرمائی تھی کہ میں حکیم صاحب سے ملاقات کروں، حکیم صاحب نے بڑی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا اور میرے جامعہ پہنچنے پر نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ ایک دو ملاقاتوں ہی میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ محترم حکیم صاحب تحریک اسلامی کے ایک مخلص اور محنتی کارکن، اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک، نہایت متحمل، دعوت کا غیر معمولی جذبہ رکھنے والے اور بڑے جری انسان ہیں۔ جامعۃ الفلاح میں میرے قیام کو ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے کہ ایک پریشانی میرے اوپر آ گئی۔ حکومت کے محکمہ انٹلی جنس کے ایک آفیسر نے آکر میرے بارے میں دریافت کیا اور ذمہ داران جامعہ کو مشورہ دیا کہ مجھے فوراً یہاں سے رخصت کر دیا جائے ورنہ جامعہ کسی پریشانی کا شکار ہو سکتا ہے۔ جامعہ کے ذمہ داران نے صلاح ومشورہ کے بعد میرے بارے میں فیصلہ کیا کہ مجھے فوراً جامعہ سے رخصت کر دیا جائے اور جامعہ کو کسی طرح کی آزمائش میں نہ ڈالا جائے۔ قبول حق کے بعد سے ہی میرے سامنے یہ مسئلہ بار بار آتا رہا۔ میری جائے قرار کیا ہو اور کون مجھے پناہ دے۔ کچھ قانونی دشواریوں اور دیگر مصلحتوں کی وجہ سے کوئی بھی مجھے اپنے یہاں پناہ دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ مجبوراً مجھے مولانا سید حامد علی صاحبؒ نے اپنے گھر پر رکھا۔ لیکن ایک اہم مسئلہ میری تعلیم کا تھا، اس لئے مجھے کسی ایسی جگہ رکھنا ضروری تھا جہاں میری تعلیم کا نظم ہو سکے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے جامعۃ الفلاح کا انتخاب کیا گیا تھا۔ مگر وہاں بھی ''سر منڈاتے ہی اولے پڑے'' اور حکومت کے کارندوں نے خوف وہراس پیدا کر کے جامعہ کے ذمہ داروں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ مجھ سے فوراً نجات پالیں۔ ظاہر ہے کسی ایک شخص کی وجہ سے پورے جامعہ کو داؤ پر نہیں

لگایا جاسکتا تھا۔ اس لئے ذمہ داران جامعہ کو بادل ناخواستہ یہ فیصلہ کرنا پڑا۔ ذمہ داران جامعہ نے مجھے بلوایا۔ بڑی محبت اور نرمی کے ساتھ صورت حال میرے سامنے رکھی، اپنی مجبوریاں گنائیں اور مجھے فوراً جامعہ سے چلے جانے کی ہدایت کی۔ جامعۃ الفلاح سے رخصت ہونے کی یہ خبر مجھ پر بجلی بن کر گری۔ میں اداس اور غمگین ہوگیا۔ مجھے اپنے خواب چکنا چور ہوتے نظر آئے۔ مجھے جامعہ کا ماحول بے حد پسند تھا۔ جامعہ کے صدر مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب مدظلہ کی میرے اوپر بے حد شفقت، دیگر اساتذہ کی محبت اور سینئر ساتھیوں کا مجھ سے والہانہ لگاؤ اور سب سے بڑھ کر علم دین کے حصول کا یہاں بہترین موقع، یہ سب وہ باتیں تھیں جن کی وجہ سے میں جامعہ کو چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے جامعہ کے ذمہ داران سے مودبانہ گذارش کی وہ اپنے فیصلے پر نظرثانی فرمائیں۔ سی آئی ڈی اور حکومت کے کارندوں سے خوف نہ کھائیں۔ مجھے تعلیم سے محروم نہ کریں۔ اور میرے خوابوں اور منصوبوں کو چکنا چور نہ ہونے دیں۔ میری گذارش پر ذمہ داران جامعہ پھر سر جوڑ کر بیٹھے۔ کافی دیر تک غور وفکر کرتے رہے، اونچ نیچ سوچتے رہے اور بالآخر اسی نتیجے پر پہنچے کہ مفاد جامعہ میں مجھے رخصت کرنا ہی بہتر ہے اور پھر انھوں نے اپنا آخری اور قطعی فیصلہ سنا دیا۔ دراصل ان کے اوپر حکومت کا زبردست دباؤ تھا۔ یہ آخری فیصلہ سن کر میں رونے لگا۔ مجھے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا تھا۔ طرح طرح کے خیالات دل ودماغ میں گردش کررہے تھے۔ میں جامعہ سے کسی بھی حالت میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سوچا کہ محترم حکیم ایوب صاحب سے ملنا چاہئے اور اس سلسلے میں تعاون لینا چاہئے۔ محترم حکیم صاحب صاحب حیثیت شخص تھے۔ نہایت جری اور دردمند انسان تھے۔ جامعہ کے بانیوں میں سے تھے، جامعہ کا ہر طرح کا تعاون کرتے اور جماعت اسلامی کے بڑے سرگرم رکن تھے۔ ان کی بات کو ٹالنا کسی کے لئے شاید آسان کام نہ تھا۔ میں حکیم صاحب سے ملا اور پوری بات ان کے سامنے رکھی۔ جامعہ کا فیصلہ بھی انھیں بتایا۔ اور اپنی ضرورت اور خواہش بھی ان کے سامنے پیش کی۔ حکیم صاحب نے میری بات کو بڑے غور سے سنا اور بڑے شفقت کے ساتھ فرمایا ''آپ بالکل فکر نہ کریں۔ آپ یہیں رہیں گے۔ اگر جامعہ اپنی مجبوریوں اور نظم کی وجہ سے آپ کو اپنے یہاں نہیں رکھ سکتا تو کوئی بات نہیں۔ اب آپ میرے پاس رہیں گے۔ حکومت کو اگر کوئی کارروائی کرنی ہے تو میرے اوپر کریں۔'' مجھے حکیم

صاحب کی ان جرأت مندانہ دردمندانہ باتوں سے بڑی تسلی ہوئی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میری آنکھ کی روشنی لوٹ آئی ہو۔ آنکھوں کے سامنے سے اندھیرا چھٹ گیا اور خوشی وتشکر کی وجہ سے میں آبدیدہ ہوگیا۔ حکیم صاحب نے مجھے سینے سے لگالیا اور میرے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔ حکیم صاحب کے اس فیصلے کی خبر پاکر جامعہ کے ذمہ داران محترم حکیم صاحب سے ملے۔ مزید غور وفکر کے لئے فوراً ایک نشست بلائی گئی۔ لوگوں نے سنجیدگی کے ساتھ میرے مسئلے پر غور کیا۔ حکیم صاحب بھی اس نشست میں شریک رہے اور آخر کار یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکومت ومصالح کا تقاضا یہی ہے کہ مجھے صرف چند دنوں کے لئے گھر بھیج دیا جائے۔ کچھ دنوں میں معاملہ سرد پڑ جائے گا اگر وطن کے لوگوں نے شکایت کی ہوگی تو ان کو بھی تسلی ہوجائے گی۔ چند دنوں کے بعد جامعہ واپس آجاؤں گا۔ یہ ایک معقول اور مناسب فیصلہ تھا جو حکیم صاحب کی وجہ سے ہوسکا۔ چنانچہ محترم حکیم صاحب نے مجھے نہایت شفقت کے ساتھ یہ فیصلہ سنایا۔ اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا۔ اپنے گھر سے راستے کے لئے توشہ تیار کرایا۔ ایک صاحب کو میرے ساتھ کیا کہ مجھے باسہولت دہلی کی ٹرین پر سوار کرائیں۔ پروگرام کے تحت میں اپنے گھر پہنچا۔ چند دنوں کے بعد واپس جامعہ آگیا۔ آج میں سوچتا ہوں کہ وہ موڑ میری زندگی کا اہم موڑ تھا۔ اگر محترم حکیم صاحب نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے میرا تعاون نہ کیا ہوتا تو نہ جانے میری زندگی کی گاڑی کہاں پھنس گئی ہوتی۔ بعد کے حالات نے بتایا کہ جامعہ میں میرے قیام اور حکیم صاحب کی سرپرستی کی وجہ سے کتنے خوش آئند نتائج سامنے آئے۔ محترم حکیم صاحب نے اپنے عمل سے یہ نمونہ بھی داعی حضرات کے لئے قائم کیا کہ دعوت حق پر لبیک کہنے والوں کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہونا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

تاثرات واحساسات

”سفر“

شاہ عالم فلاحی

تمام دن گاڑی میں بیٹھے رہنے کی وجہ سے جسم درد کرنے لگا تھا اور رات کی آمد پر جب ہر مسافر اپنی سیٹ پر آرام کے لئے لیٹ گیا تو میں نے بھی اپنی چادر کی تکیہ بنائی اور سو گیا۔ لیکن رات کے آخری حصہ میں پھر آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ ہر کوئی نیند کی آغوش میں تھا۔ کبھی کبھی بچوں کے رونے کی آواز آتی تھی ۔میں اپنی جگہ اٹھ کر بیٹھا تھا کہ اچانک تنہائی مجھ کو خیالات کی کسی اور ہی وادی میں لے کر چلی گئی۔

رات کی خاموشی، میدانوں کی اداسی اور سبک رفتار ٹرین سے پیدا ہونے والی جھنکار سے درد والم، رنج وغم کی ایک لمبی داستان سنائی پڑ رہی تھی اور وہ انسانی دل کا کرب تھا۔

اس سفر نے میرے ذہن کو ایک عجیب وغریب، بھیانک وغمزدہ اور نا چاہے سفر کی منزل کی طرف موڑ دیا۔ جو ہر انسان کی منزل ہے۔ جس کی جانب ہر ذی نفس کشاں کشاں پا بہ رکاب ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: ”یا أیها الانسان انك كادح الى ربك كدحاً فملاقيه۔“

یہ سفر، سفر حیات یا موت سے عبارت ہے۔ یہ وہ سفر ہے جس کی گاڑی پر ہر کسی کو چڑھنا ہے۔ یہ وہ سفر ہے جس کی تلخیاں ہر نفس کو چکھنی ہے۔ یہ وہ سفر ہے جہاں جانے سے ایک معصوم، لاڈلے اور اکلوتے بچے کو ماں کا حقیقی پیار بھی نہ روک پایا۔ یہ وہ سفر ہے جس کی گاڑی پر کتنے ہی شادی شدہ نوجوان سوار ہوئے اور پل بھر میں کتنے ہی حسین ونوخیز دوشیزاؤں کا سہاگ برباد ہوا۔ یہ وہ سفر ہے جہاں جانے سے کسی محبوب وپیاری ہستی کو لوگ نہ روک سکے۔

ہر سفر میں کچھ دوست واحباب ہوتے ہیں، کچھ مونس وغمخوار ہوتے ہیں۔ یا کچھ اپنے ہی جیسے اجنبی چہرے ہوتے ہیں جن کی اجنبیت پل بھر میں اپنائیت میں بدل جاتی ہے۔ لیکن یہ وہ سفر ہے جس کی حسین عکاسی علامہ اقبالؒ کے اس شعر میں پنہاں ہے:

راہ حیات میں کون ہے کس کا رفیق
ساتھ اپنے رہ گئی بس اپنی آرزو

ہر مسافر کو کچھ زاد راہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن زندگی کا یہ سفر جو پل بھر میں بسے بسائے گھروں کو ویران کر دیتا ہے، اپنا زاد راہ بھی کچھ اور ہی شے کو محبوب بناتا ہے۔ وہ ہے انسانیت، شرافت، کمزوروں کی خدمت، معبود حقیقی سے ملاقات کی تپش اور بے حد تڑپ اور جیتے جی اس کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لئے حد درجہ کوشاں رہنا۔

یہ سفر جس کی سمت ہر ذی نفس نیند کی حالت، غفلت، جاگتے اور بھاگ دوڑ کرنے کی حالتوں میں جا رہا ہے اس کی منزل کا سرخروئی اور فائز المرامی کے ساتھ حصول صرف اور صرف رضائے الٰہی کے ساتھ زندگی بتانے میں پوشیدہ ہے۔ اس خیال نے میرے دل ودماغ پر ایک خوفناک وحشت کی فضا طاری کر دی۔ اپنے پینتیس سالہ گزشتہ زندگی کے سفر کا جائزہ رات کی خاموشی اور ٹرین کی برق رفتاری کے ساتھ لے رہا تھا۔ اور جب میں نے عمر کے اس حصے کا جو میرے ہاتھوں سے نکل چکا ہے موازنہ کیا تو ایسا لگا جیسے عمر حیات ٹرین کی سبک رفتاری سے زیادہ تیزی اور سرعت سے نکل گئی۔ اس دل دوز خیال کے آتے ہی میں اپنے پینتیس سالہ زندگی کا جائزہ اس کی ہر روش میں گھوم گھوم کر لے رہا تھا۔

ہر نفس تنہا ہے پر زندگی کے میدان میں اور زندگی کے مراحل میں گوناں گوں کیرکٹر کے رول ادا کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم کسی کے بیٹے ہیں تو اس میدان میں ہم کیا کردار (Play(ادا کر رہے ہیں۔ سماج کے ایک فرد کی حیثیت سے ہم کیا نبھا رہے ہیں۔ ایک طالب علم کی حیثیت سے ہمارے اندر علم کی کتنی تڑپ ہے۔ استاد کی حیثیت سے ہمیں اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے کتنی فکر ہے۔

اسلام کی سربلندی، آں حضور ﷺ کے لگائے ہوئے اسلام کے نوخیز پودے کو سیراب کرنے اور اس کی رگ مردہ میں جان ڈالنے کے لئے کتنے فکرمند اور کوشاں ہیں۔ یہ زندگی اللہ کی دی ہوئی ایک عظیم نعمت ہے۔ خدا کے سامنے اس کے تعلق سے ہر کوئی مسئول ہوگا۔ ”لتسئلن یومئذ عن النعیم“ الآیۃ:

ان احساسات نے اس سفر کو حد درجہ بھیانک اور بے کیف بنا دیا۔ ایسا اس وجہ سے کہ جو سفر ہر ذی نفس کی زندگی کا لازمہ ہے اس کی حقیقی تیاری صحیح معنوں میں بہت کم ہی افراد کرتے ہیں: ”وقلیل من عبادی الشکور“ الآیۃ:

"اور میرے بندوں میں سے بہت ہی کم شکر گذار ہوتے ہیں"

ٹرین میں ایک ڈرائیور ہوتا ہے جو گاڑی چلاتا ہے، کچھ رہنمائی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ جب تمام ہی افراد اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دیتے ہیں تو مسافر کا سفر خوشگوار اور آرام دہ ہوتا ہے اور امن وسکون کے ساتھ وہ منزل پر پہنچتا ہے۔ ان چند گھنٹوں اور دو ایک دن کے سفر کے لئے اتنے انتظام، کس کے لئے ہیں؟ صرف ہم مسافروں کے لئے۔

تو ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ زندگی کے اس سفر میں جس پر ہر کوئی جانے کے لئے مجبور ہے:

"قل ان الموت الذی تفرون منه فانه ملاقیکم" الآیۃ:

خالق کائنات، مالک ارض وسما جو حد درجہ مشفق ومہربان ہے، انسانوں کے اس سفر میں جو تمام سفروں کا حاصل نتیجہ کے لحاظ سے جتنا خوشگوار ہے اتنا ہی خطرہ و بھیانک ہے۔ اس مخلوق کو یکہ وتنہا چھوڑ دیتا اور کوئی ہادی ورہبر نہ بھیجتا جو زندگی کے اس سفر میں نوع انسانی کی صحیح رہنمائی کرتا تاکہ یہ مشت خاکی دنیا وآخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار ہوتی۔ نبوت کے اختتام اور آں حضور ﷺ کے اس جہان فانی سے رحلت فرمالینے کے بعد...

اے مسلمانو! اے قرآن وحدیث کے متوالو! یہ عظیم کار اب تمہارے سر پر آپڑا ہے۔ ہندوستان کی سرزمین پر جہاں ہم سانس لے رہے ہیں ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے پوری طرح کمربستہ ہو جائے۔ اور خلوص ورضائے الٰہی کے ساتھ انسانیت وشرافت کے اس سبق کو عام کرے اور اس مقصد کے حصول کے لئے اپنا آخری قطرۂ خون بھی اس راہ میں ٹپکا دے تو ان شاء اللہ ایک ایسی روشن صبح ہویدا ہوگی جو ہر ہندوستانی کے دل کی دھڑکنوں کی آواز ہوگی۔ انسانیت کو قرار ملے گا، اس کی کھوئی منزل ملے گی۔ ایک ایسی منزل جہاں سے دنیا میں بھی امن وسکون، راحت وآرام، پیار ومحبت، حیا وپاکدامنی، اخلاق ومروت، مہر ومحبت کی پون بہے گی اور یہ سعی وکوشش اخروی فلاح کی بھی ضامن ہوگی۔

☆☆☆☆☆

حکیم محمد ایوب صاحب ندوی کی وفات سے متاثر ہو کے

اشعار

ایک دن مٹ جائے گا دنیا کا سب جاہ و جلال
صرف ذات کبریا ہے اے قمر بس لا زوال
اس جہاں کی ایک اک شے آنی جانی ہے قمر
صرف اک جھونکا ہوا کا زندگانی ہے قمر

قطعہ

شان و شوکت مال و دولت یار پیچھے رہ گئے
چل دیئے منہ موڑ کر گھر بار پیچھے رہ گئے
جانے والے لے گئے ہمراہ بس دو گز کفن
بیش قیمت موتیوں کے ہار پیچھے رہ گئے

نظم

یہ کس کے غم میں ہے اتنا ماتم کہ جیسے ہستی رکی ہوئی ہے
بڑی باوقار شخصیت تھی یہ جس کی میت پڑی ہوئی ہے
بڑے ادب کا مقام ہے یہ بڑے ادب سے زبان کھولو
قدم اٹھاؤ تو دھیما دھیما زبان سے دھیرے دھیرے بولو
وہ اک ستارہ جو اوج پر تھا ابھی ابھی ٹوٹ کر گرا ہے
وہ ایک موتی تھا بیش قیمت جو میرے ہاتھوں سے کھو گیا ہے
مگر نگاہیں بدل کے دیکھو وہ میرا ہمدم نہیں مرے گا
دیا جو روشن کیا ہے اس نے وہ آندھیوں میں جلا کرے گا
اے میرے مالک اے میرے مولیٰ بس اک یہی التجا ہے تجھ سے
کہ ان کے بچوں کو اور عزیزوں کو صبر و ہمت دے حوصلہ دے

(آمین)

قمر رسول پوری

آزاد نظم

شاہ عالم

وا حسرتا وا حسرتا ناکامیٔ انساں پہ
مرتا ہے دل و جاں سے اس جلوہ فانی پہ
جس شہر کے جلوؤں میں پنہاں ہے لہو غم کا
جو شہر بیاباں ہے کچھ اپنے مقدر کا
نہ اس میں مروت ہے نہ اس میں شرافت ہے
آزادیٔ نسواں کا جو اصل میں قاتل ہے
اس شہر کی رونق بھی باقی ہے تیرے دم سے
زندہ ہے محبت بھی ترے خطہ پر خم سے
اے کاش بدل جائیں اس شہر کی تقدیریں
یہ شہر اب شاکی ہے کچھ اپنے مقدر کا

غزل

وہ نکلیں جب گھر سے باہر
مت پوچھو کیا آفت ڈھائیں
بھیگی پلکیں بکھری زلفیں
مت پوچھو کیا درد سنائیں
جس میں ہو نہ حیا و عفت
وہ خوبائیں قہر مچائیں
قریہ بستی شہر بیاباں
ایسے ہی وہ قصے سنائیں
اے عالم تو بھاگ وہاں سے
لوگ جہاں رہزن ہو جائیں

فقہ و فتاویٰ

ابوار قمر فلاحی

سوال: کیا اذان کے کلمات کو دہرانا سامع پر واجب ہے؟

جواب: اذان کے کلمات کو دہرانا مستحب و پسندیدہ ہے۔ ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن" جب تم لوگ اذان سنو تو مؤذن کے ساتھ ساتھ ان کلمات کو دہراؤ۔

سوال: "حیَّ علیٰ الصلوٰۃ، حیَّ علیٰ الفلاح" اور "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے الفاظ بھی کیا بعینہٖ دہرائے جائیں گے؟

جواب: پہلے دونوں جملوں کے عوض میں "لا حول ولا قوۃ الّا باللّٰہ" اور "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے بعد "صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ" کہنا پسندیدہ ہے۔

سوال: کیا بیک وقت ایک سے زائد مؤذن اذان دے سکتے ہیں؟

جواب: مسجد یا اذان کا حلقہ اگر بڑا ہو اور چہار جانب آواز پہنچانے کے لئے ایک سے زائد مؤذن کی ضرورت محسوس ہو تو ایک سے زائد مؤذن اذان دے سکتے ہیں۔

سوال: کیا منفرد اذان دے سکتا ہے؟

جواب: صحرا یا جنگل اور میدانوں میں اگر کوئی شخص تنہا ہو تو نماز کی اقامت سے پہلے بلند آواز سے اس کے لئے اذان دینا مستحب ہے۔

سوال: کیا کسی مقام یا مکان میں وحشت محسوس ہو تو وہاں اذان دینا جائز ہے؟

جواب: کسی گھر یا مقام پر اگر جنوں کی شکایت ہو تو وہاں اذان دینا جائز و درست ہے۔ عمر فاروقؓ نے زید بن اسلم کو بنو سلیم کے علاقہ میں گورنر بنا کر بھیجا انھوں نے وہاں لوگوں کے جنوں کے زیر اثر چلے جانے کی شکایت کی، اس پر عمر فاروقؓ نے فرمایا انسانوں کی طرح جنوں میں بھی بعض جادوگر ہوتے ہیں لہٰذا اگر کہیں ان سے اندیشہ خطرہ محسوس ہو تو وہاں اذان دو۔"

سوال: کیا بچے کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے گی؟

جواب: بچے کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت مسنون ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ کا یہی مسلک ومعمول تھا۔

سوال: کسی شخص کے اخلاق بگڑ جائیں یا کوئی چوپایہ بدک کر بھاگ جائے اور پکڑ میں نہ آئے تو کیا اذان دینا جائز ہے؟

جواب: کسی شخص کی سیرت اگر بگڑ جائے اور اس کے اخلاق درست نہ ہوں تو اس کے کان میں اذان دینا بہتر ہوگا اور ایسے ہی چوپایہ کے بدک کر بھاگ کھڑے ہونے کی صورت میں اذان دینا مستحب اور پسندیدہ ہے۔

سوال: نماز کے علاوہ کیا دیگر امور کے لئے اذان دینا جائز ہے؟

جواب: اذان تو اصلاً نماز کے اوقات کی اطلاع دینے کے لئے مشروع کی گئی ہے۔ لیکن بعض دیگر مناسبتوں پر بھی اذان دینا جائز ہے۔ جیسے غمزدہ شخص، غصہ سے بھرے ہوئے شخص کے کان میں، میدان جنگ اور آگ لگ جانے کے وقت اور ایسے ہی اس شخص کے لئے بھی مسنون ہے جو راستہ بھول گیا ہو۔

سوال: کیا دخول وقت سے پہلے دی گئی اذان منعقد ہوگی؟

جواب: دخول وقت سے پہلے دی گئی اذان فاسد و باطل ہوگی۔

سوال: کیا اقامت کے کلمات اکہرے کہے جائیں یا دوہرے؟

جواب: اقامت کے الفاظ بلالؓ کی حدیث میں اکہرے اور ابو محذورہؓ کی حدیث میں دوہرے وارد ہیں۔ اور دونوں حدیثیں صحیح ہیں لہذا ضرورت کے لحاظ سے چھوٹی مسجدوں یا سفر میں اکہرے اور بڑی مسجدوں میں دوہرے الفاظ استعمال کئے جائیں تو دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆

جامعہ کے لیل ونہار

ادارہ

الوداعی نشست:

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی استاذ شعبۂ اعلیٰ نے اپنی بعض ناگزیر ضرورتوں کی بنا پر ماہ دسمبر کے اوائل میں تدریس سے استعفاء دے دیا۔ آپ کے اعزاز میں ابو اللیث ہال میں ۱۲/۸/۲۰۰۴ء کو ایک الوداعی تقریب رکھی گئی۔ مہتمم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے آپ کی بہترین کارکردگی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ موصوف نے اپنی مفوضہ تدریسی ذمہ داریوں کو ہمیشہ احسن طریقہ سے انجام دیا۔ آپ کے جانے سے جامعہ میں ایک علمی خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خلاء کو پر فرمائے۔

ٹی پارٹی:

ماسٹر جنید احمد صاحب عرف نگراں کی سبکدوشی کے موقعہ پر جماعت اسلامی ہند طلباء گنج فلاح یونٹ کی جانب سے آپ کے اعزاز میں ایک تقریب رکھی گئی جس میں مولانا محمد طاہر مدنی صاحب اور مولانا محمد عمران صاحب وغیرہ نے اپنے جذبات وتاثرات کا اظہار کرتے ہوئے مطبخ اور دفتر نظامت میں موصوف کی بہترین اور عمدہ کارکردگی کا مختصر تعارف کرایا۔ موصوف کی تقرری ۱۹۶۶ء میں بحیثیت نگراں کے ہوئی تھی۔ آپ نے ایک عرصہ تک مطبخ کو سنبھالا اور اسے خود کفیل بنا دیا۔ شعبہ نظامت سے وابستہ رہے۔ مالیات اور حساب کے معاملے میں بے حد دیانت دار اور امین تھے۔ کبھی آپ کے حساب میں ایک پیسہ کا بھی فرق نہیں پایا گیا۔ موصوف کی ایک اہم خوبی عبادات اور خصوصاً نماز سے شغف تھا۔ ہر نماز کے بعد مسنون اذکار واوراد کے علاوہ چاشت وغیرہ کی نماز کا برابر اہتمام کرتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے۔

کلیۃ البنات میں مسجد کی سنگ بنیاد

۳۰ر دسمبر ۲۰۰۴ء کو کلیۃ البنات میں صفیہ منزل کے پیچھے مسجد کی سنگ بنیاد کی تقریب منعقد

ہوئی۔ ناظم جامعہ جناب مولانا ابوالبقاء ندوی صاحب نے مسجد کی سنگ بنیاد رکھی۔ بہی خواہان جامعہ سے اس کار خیر میں حصہ لینے کی پر خلوص درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مسجد کو جلد ہی پایۂ تکمیل کو پہنچائے۔

نو واردان بساط چمن:

مختلف تعلیمی وتربیتی ضروریات کے لئے جن ارباب علم وآگہی کی خدمات جامعہ نے جلد ہی حاصل کی ہیں ان کا مختصر تعارف ہدیۂ قارئین ہے۔

محترمہ صبیحہ بانو: بی ایس سی اور بی ایڈ کی تقرری بحیثیت معلمہ ریاضی کے شعبہ نسواں ثانوی میں ہوئی ہے اور شعبہ نسواں ہی میں محرر کی حیثیت سے ماسٹر اختر الزماں صاحب کی تقرری عمل میں آئی ہے۔ اور جناب مولانا امیر فیصل صاحب اور جناب مولوی معین الدین صاحب کو شعبہ اعلیٰ میں ایک سال کے لئے عارضی طور پر منتقل کیا گیا ہے۔

ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جامعہ کی ہمہ جہتی تعمیر وترقی میں فعال کردار ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

تفصیلات بابت تعطیلات وامتحانات ۲۰۰۴-۲۰۰۵ء

دفتر اہتمام سے موصول شدہ خبر کے مطابق نئے تعلیمی سیشن کی تعطیلات وامتحانات کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

آغاز تعلیمی سال	:	۶ رشوال ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰ رنومبر ۲۰۰۴ء
تعطیل عیدالاضحیٰ	:	از ۹ رذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰ رجنوری ۲۰۰۵ء بروز پنجشنبہ تا ۱۳ رذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۴ رجنوری ۲۰۰۵ء بروز دوشنبہ
امتحان ششماہی	:	۳ راپریل ۲۰۰۵ء بروز یکشنبہ تا ۱۷ راپریل ۲۰۰۵ء بروز یکشنبہ
آغاز ششماہی ثانی	:	۱۸ راپریل ۲۰۰۵ء بروز شنبہ
تعطیل گرما	:	۲۰ رمئی ۲۰۰۵ء تا ۱۷ رجون ۲۰۰۵ء بروز جمعہ
امتحان سالانہ	:	۶ رستمبر ۲۰۰۵ء بروز سہ شنبہ تا ۲۲ رستمبر ۲۰۰۵ء بروز پنجشنبہ
اعلان نتائج	:	۲۹ رستمبر ۲۰۰۵ء بروز پنجشنبہ
تعطیل کلاں	:	از ۲۶ رشعبان ۱۴۲۶ھ تا ۵ رشوال ۱۴۲۶ھ

☆☆☆☆